تاریخ

دعوت و عزیمت

حصّہ چہارم

تذکرہ مجدّد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ

مجدّد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کی مفصل سوانح حیات، ان کا عہد اور ماحول، ان کے عظیم تجدیدی اور انقلابی کارنامے کی اصل نوعیت کا بیان، ان کا اور ان کے سلسلہ کے مشائخ کا اپنی اور بعد کی صدیوں پر گہرا اثر اور ان کی اصلاحی تربیتی خدمات۔

مفکر اسلام مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ

مجلس نشریاتِ اسلام

۱۔کے۔۳ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ۱ کراچی ۱۸

جملہ حقوق طباعت واشاعت پاکستان میں
بحقِ فضل ربی ندوی محفوظ ہیں۔

مفکر اسلام مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ

اپنی حیات میں مندرجہ ذیل اداروں کے ذمہ دار رہے

- ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
- رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند
- صدر مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ
- صدر مجلس انتظامی ومجلس عاملہ دارالمصنفین اعظم گڑھ
- رکن عربی اکادمی دمشق
- رکن مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
- رکن مجلس تاسیس رابطۂ عالم اسلامی مکہ معظمہ
- رکن مجلس عاملہ مؤتمر عالم اسلامی بیروت
- صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
- صدر رابطۃ الادب الاسلامی العالمیۃ
- رکن مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا
- سابق وزیٹنگ پروفیسر دمشق یونیورسٹی ومدینہ یونیورسٹی
- صدر آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز آکسفورڈ یونیورسٹی آکسفورڈ۔

نام کتاب ——— "تاریخ دعوت وعزیمت (حصہ چہارم)
تصنیف ——— مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
طباعت ——— احمد برادرز پرنٹنگ پریس۔ کراچی
ضخامت ——— ۴۳۶ صفحات

ٹیلیفون : ۶۶۰۱۸۱۷

اسٹاکسٹ : مکتبہ ندوہ قاسم سینٹر اردو بازار کراچی

ناشر

فضل ربی ندوی

مجلس نشریاتِ اسلام ۱۔ کے۔ ۲ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ۱ کراچی ۷۴۶۰۰

کسی خادم نے کسی بزرگ (شیخ عبدالکبیر یمنی) کا کوئی ایسا ہی شاذ اور وحشت انگیز قول نقل کیا تھا، مجدد صاحب اس کی تاب نہ لا سکے، اور ان کے قلم سے بے اختیار یہ فقرے نکل گئے :۔

"مخدوما! فقیر کو ایسی باتوں کے سننے کی تاب نہیں، بے اختیار میری رگ فاروقی حرکت میں آجاتی ہے، اور تاویل و توجیہ کا موقع نہیں دیتی، ایسی باتوں کے قائل شیخ کبیر یمنی ہوں یا شیخ اکبر شامی، ہمیں کلام محمد عربی علیہ وعلیٰ آلہ والصلوۃ والسلام درکار ہے، نہ کہ کلام محی الدین بن عربی[1]، صدرالدین قونوی اور شیخ عبدالرزاق کاشی، ہم کو نص سے کام ہے نہ کہ فص سے[2] ــــــ فتوحات مدینہ نے فتوحات مکیہ سے مستغنی بنا دیا ہے[3]"

حضرت مجدد کے نزدیک شریعت غرّاء کے مطابق جو عمل کیا جائے وہ داخل ذکر ہے، ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ :۔

"تمام اوقات کو ذکر الٰہی جل شانہ میں مشغول رکھنا چاہئے، جو عمل بھی شریعت غراء کے موافق ہوگا، وہ داخل ذکر ہے، اگرچہ بیع و شراء ہو، پس تمام حرکات و سکنات میں احکام شرعیہ کی مراعات ہونی چاہئے تاکہ وہ سب ذکر ہو جائے، اس لئے کہ ذکر نام ہی ہے غفلت دور کرنے کا اور جبر تمام افعال میں اوامر و نواہی شرعیہ کی مراعات کی جائے گی تو کرنے والے کو ان کا حکم دینے والے (خدائے واحد) سے جو حقیقی آمر و ناہی ہے، غفلت سے نجات حاصل ہو جائے گی اور اس کو دوام ذکر کی دولت میسر آئے گی[4]"

---

[1] شیخ محی الدین ابن عربی مراد ہیں، جن کا انتقال دمشق میں ہوا، اور وہیں مدفون ہوئے۔

[2] نص سے مراد نص شرعی ہے فص سے مراد شیخ اکبر کی کتاب "فصوص الحکم" کا کوئی حصہ (فص)۔

[3] مکتوب ۱۰۰/۲ بنام ملا حسن کشمیری۔

[4] مکتوب ۲۵/۲ بنام خواجہ محمد شرف الدین حسین۔

اس حمایت وحمیت شرعی کی بنا پر مجدد صاحب نے سجدۂ تعظیمی پر سخت نکیر کی، جو بعض مشائخ کے یہاں رائج ہونے لگا تھا، اور اپنے بعض اہل تعلق کو جن کے متعلق اس بارے میں تساہلی کی اطلاع ملی تھی سخت تنبیہ فرمائی[1]، نیز مشرکانہ اعمال ورسوم کی تردید ومذمت میں (جن میں اس زمانہ میں تساہل شروع ہوگیا تھا) مراسم شرک کی تعظیم، غیر اللہ سے استمداد وطلبِ حوائج کے مشرکانہ عقیدہ، اہل کفر کے تہواروں کی تعظیم اور ان کے رسوم وعادات کی تقلید، بزرگوں کے لئے حیوانات کو نذر وذبح کرنے، پیروں، بیبیوں کی نیت سے روزہ رکھنے کی تردید ومذمت کے سلسلہ میں حضرت مجدد کی کھلی تصریحات اور واضح تنبیہات اس طویل مفصل مکتوب میں ملاحظہ ہوں، جو ایک ارادت رکھنے والی نیک خاتون کے نام لکھا گیا ہے[2]۔

یہ اصلاح عقائد، ردّ شرک وبدعت اور دین خالص کی دعوت کا وہ عظیم الشان تجدیدی کام تھا جو عرصۂ دراز کے بعد حضرت مجدد نے ہندوستان کی سرزمین پر شروع کیا، (جس کی مسلمان آبادی غیر مسلم اکثریت کے درمیان گھری ہونے اور اسلام کے حدیث العہد ہونے کی بنا پر مشرکانہ جاہلیت کے خطرہ سے ہر وقت دوچار تھی) اور پھر اس کی تکمیل وتوسیع انھیں کے سلسلہ کے نامور مشائخ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے خاندان[3] اور حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کی جماعت نے زبان وقلم، رسائل وتصنیفات، ترجمۂ قرآن وحدیث اور اپنے وسیع تبلیغی دوروں کے ذریعہ کی۔

---

[1] ملاحظہ ہو مکتوب ۹۲/۲ بنام سیادت پناہ میر محمد نعمان، ومکتوب ۲۹/۱ بنام شیخ نظام الدین تھانیسری۔

[2] مکتوب ۴۱/۳ بصالحہ از اہل ارادت۔

[3] جن میں ان کے نامور پوتے مولانا محمد اسماعیل شہید (۱۲۴۶ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سنت کی ترویج اور بدعتِ حسنہ کی تردید

کسی ایسی چیز کو جس کو اللہ و رسول نے دین میں شامل نہیں کیا اور اس کا حکم نہیں دیا، دین میں شامل کر لینا، اس کا ایک جزء بنا دینا، اس کو ثواب اور تقرب الی اللہ کے لئے کرنا، اور اس کے خود ساختہ شرائط و آداب کی اِسی طرح پابندی کرنا جس طرح ایک شرعی حکم کی پابندی کی جاتی ہے بدعت ہے، بدعت حقیقت دین الٰہی کے اندر شریعت انسانی کی تشکیل ہے، اس شریعت کی الگ فقہ ہے، اور مستقل فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات، جو بعض اوقات شریعت الٰہی کے متوازی اور بعض اوقات تعداد اور اہمیت میں اس سے بڑھ جاتے ہیں، بدعت اس حقیقت کو نظر انداز کرتی ہے کہ شریعت مکمل ہو چکی جس کا تعین ہونا تھا، اس کا تعین ہو گیا، اور جس کو فرض و واجب بننا تھا، وہ فرض و واجب بنایا جا چکا، دین کی ٹکسال بند کر دی گئی، اب جو نیا سکہ اس کی طرف منسوب کیا جائے گا وہ جعلی ہوگا، امام مالک نے خوب فرمایا:۔

من ابتدع فی الاسلام بدعۃ یراھا	جس نے اسلام میں کوئی بدعت پیدا کر دی اور
حسنۃ فقد زعم ان محمداً صلی اللہ	اس کو وہ اچھا سمجھتا ہے، وہ اس بات کا اعلان
علیہ وسلم خان الرسالۃ، فان اللہ	کرتا ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے (نعوذ باللہ) پیغام
سبحانہ یقول اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ	پہونچانے میں خیانت کی، اس لئے کہ اللہ فرماتا ہے کہ میں نے
فَمَا لَمْ یَکُنْ یَوْمَئِذٍ دِیْنًا فَلَا یَکُوْنُ	تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا پس جو بات عہدِ رسالت
الْیَوْمَ دِیْنًا۔	میں دین نہیں تھی، وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔

شریعت منزّل من اللہ کی خصوصیت اس کی سہولت اور اس کا ہر ایک کے لئے ہر زمانہ میں قابل عمل ہونا ہے، اس لئے کہ جو دین کا شارع ہے، وہ انسان کا خالق بھی ہے، وہ انسان کی ضروریات،

اس کی فطرت اور اس کی طاقت و کمزوری سے واقف ہے۔

اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَھُوَ اللَّطِیْفُ (اور بھلا) کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے، اور وہ

الْخَبِیْرُ ؕ (سورۃ الملک۔۱۴) باریک بیں (اور) پورا باخبر ہے۔

اس لئے تشریع الٰہی اور شریعت سماوی میں ان سب چیزوں کی رعایت ہے، مگر جب انسان خود شارع بن جائے گا تو اس کا لحاظ نہیں رکھ سکتا، بدعات کی آمیزشوں اور وقتاً فوقتاً اضافوں کے بعد دین اس قدر دشوار، پیچدار اور طویل ہو جاتا ہے کہ لوگ مجبور ہو کر ایسے مذہب کا قلادہ اپنی گردن سے اتار دیتے ہیں، اور "ما جعل علیکم فی الدین من حرج" (خدا نے تمہارے لئے تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی) کی نعمت سلب کر لی جاتی ہے، اس کا نمونہ عبادات و رسوم اور فرائض و واجبات کی اس طویل فہرست میں دیکھا جا سکتا ہے، جس میں بدعت کو آزادی کے ساتھ اپنا عمل کرنے کا موقع ملا ہے۔

دین و شریعت کی ایک خصوصیت ان کی عالمگیر یکسانی ہے، وہ ہر زمانہ اور ہر دور میں ایک ہی رہتے ہیں، دنیا کے کسی حصہ کا کوئی مسلمان باشندہ دنیا کے کسی دوسرے حصہ میں چلا جائے تو اس کو دین و شریعت پر عمل کرنے میں نہ کوئی دقت پیش آئیگی، نہ کسی مقامی ہدایت نامہ اور رہبر کی ضرورت ہوگی، اس کے برخلاف بدعات میں یکسانی اور وحدت نہیں پائی جاتی، وہ ہر جگہ کے مقامی سانچہ اور ملکی یا شہری ٹکسال سے ڈھل کر نکلتی ہیں، وہ خاص تاریخی اور مقامی اسباب اور شخصی و انفرادی مصالح و اغراض کا نتیجہ ہوتی ہیں، اس لئے ہر ملک بلکہ اس سے آگے بڑھ کر بعض اوقات ایک ایک صوبہ اور ایک ایک شہر کے بدعات اور پھر محلوں اور گھروں کی دینی ایجادیں انہی کے ساتھ مخصوص ہوتی ہیں، اور اس طرح شہر شہر اور گھر گھر کا دین مختلف ہو سکتا ہے۔

انہی ابدی و عالمی مصالح کی بنا پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بدعت سے

بچنے اور سنت کی حفاظت کی تاکید بلیغ فرمائی، آپ نے فرمایا:۔

من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو ردّ۔	جو ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں داخل نہیں تھی تو وہ بات مسترد ہے۔
ایاکم والبدعۃ فان کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار۔	بدعت سے ہمیشہ بچو! اس لئے کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہوگی۔

اور یہ حکیمانہ پیش گوئی بھی فرمائی:۔

ما احدث قوم بدعۃ الا رفع بھا مثلھا من السنۃ۔	جب کچھ لوگ دین میں کوئی نئی بات پیدا کرتے ہیں تو اس کے بقدر کوئی سنت ضرور اٹھ جاتی ہے۔

صحابۂ کرام اور ان کے بعد ائمہ و فقہائے اسلام اور اپنے اپنے وقت کے مجددین و مصلحین اور علماء ربانی نے ہمیشہ اپنے اپنے زمانہ کی بدعات کی سختی سے مخالفت کی اور اسلام کے معاشرہ اور دینی حلقوں میں ان بدعات کو مقبول و رواج پذیر ہونے سے روکنے کی اپنے مقدور بھر کوشش کی، ان بدعات میں عوام و خوش عقیدہ لوگوں کے لئے جو مقناطیسی کشش ہر زمانہ میں رہی ہے، اور ان سے ان پیشہ ور دنیا دار مذہبی گروہوں اور افراد کے جو ذاتی مفادات وابستہ رہے ہیں جن کی تصویر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی اس معجزانہ آیت میں کھینچی ہے:۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّھْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ (سورۂ توبہ۔۳۴)	اے ایمان والو! اکثر احبار اور رہبان لوگوں کے مال نامشروع طریقہ سے کھاتے ہیں، اور اللہ کی راہ سے باز رکھتے ہیں۔

اس کی بنا پر ان کو سخت مخالفتوں اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن انھوں نے اس کی پرواہ

نہیں کی، اور اس کو اپنے وقت کا جہاد اور شریعت کی حفاظت کا اور دین کو تحریف سے بچانے کا مقدس کام سمجھا، ان مخالفین بدعت اور حاملین لواءِ سنت کو اپنے زمانہ کے عوام یا خواص کا لعوام سے "جامد" "روایت پرست" "مذہب دشمن" وغیرہ کے خطابات ملے، لیکن انھوں نے کوئی پرواہ نہیں کی، ان کے اس لسانی و قلمی جہاد احقاقِ حق اور ابطال باطل سے بہت سی بدعات کا اس طرح خاتمہ ہوا کہ ان کا تمدن کی بعض تاریخوں ہی میں ذکر رہ گیا ہے، اور جو باقی ہیں ان کے خلاف علمائے حقانی اب بھی صف آرا ہیں :۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا	ان مومنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انھوں نے جس بات
اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ	کا اللہ سے عہد کیا تھا، اس میں سچے نکلے، پھر بعضے تو ان میں
مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝	وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے، اور بعضے ان میں مشاق
(سورۂ احزاب - ۲۳)	ہیں، اور انھوں نے ذرا تغیر و تبدل نہیں کیا۔

اس سلسلہ میں سب سے بڑا مغالطہ بدعت حسنہ کا مغالطہ تھا، لوگوں نے بدعت کی دو قسمیں بنا رکھی تھیں، بدعت سیئہ، اور بدعت حسنہ، وہ کہتے تھے کہ ہر بدعت سیئہ نہیں ہوتی، بہت سی بدعات، بدعات حسنہ ہیں، جو حدیث کے اطلاق "کل بدعة ضلالة" سے مستثنیٰ ہیں[1]۔

حضرت مجدد صاحب نے اس تقسیم اور بدعت حسنہ کے خلاف جس زور سے علم جہاد بلند کیا اور

---

[1] ان لوگوں کی سب سے بڑی دلیل حضرت عمرؓ کا قول ہے جو انھوں نے جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنے والوں کو دیکھ کر فرمایا تھا "نعمت البدعة هذه" (یہ بڑی اچھی بدعت ہے) حالانکہ اس پر اتفاق ہے کہ یہاں محض لغوی حیثیت سے اس کو بدعت کہا گیا ہے، ورنہ تراویح کا پڑھنا احادیث صحیحہ سے ثابت اور متواتر ہے، بدعت کی تعریف کے لئے امام شاطبی کی کتاب "الاعتصام بالسنة" اور مولانا اسماعیل شہیدؒ کی کتاب "ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح" جو اس موضوع پر بہترین کتاب ہے۔ مطالعہ کرنی چاہئے۔

جس اعتماد و قوت اور علمی استدلال کے ساتھ اس کا انکار کیا اس کی نظیر دو ٹک اور دیر تک نہیں ملتی، اس سلسلہ میں مکتوبات کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں :۔

سنن نبویہ کی ترویج و اشاعت کی تحریض اور بدعات کے انسداد کی ترغیب دیتے ہوئے اپنے مخدوم زادہ خواجہ محمد عبداللہ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"یہ وہ وقت ہے کہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت پر ہزار سال گزر چکے ہیں، اور علامات قیامت ظاہر ہونا شروع ہو گئی ہیں، عہد نبوت کے بُعد کی وجہ سے سنت مستور اور چونکہ زمانہ کذب و دروغ کا ہے، بدعت رائج و مقبول ہو رہی ہے، کسی شہباز کی ضرورت ہے، جو سنت کی نصرت و حمایت کرے اور بدعت کو پسپا اور مغلوب کرے، بدعت کی ترویج، دین کی تخریب کے مرادف ہے، اور مبتدع کی تعظیم قصر اسلام کو منہدم کرنے کے ہم معنیٰ۔ حدیث میں آتا ہے :۔

من وقّر صاحب بدعۃ فقد اعان	جو کسی بدعت والے کی توقیر کرے گا اس نے
علی ھدم الاسلام۔	اسلام کے منہدم کرنے کے کام میں حصہ لیا۔

پورے عزم و ہمت کے ساتھ اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ سنتوں میں سے کسی سنت کو رواج دیا جائے اور بدعتوں میں سے کسی بدعت کا ازالہ کیا جائے، یہ کام ہر وقت ضروری تھا لیکن ضعف اسلام کے اس زمانہ میں کہ مراسم اسلام کا قیام، سنت کی ترویج اور بدعت کی تخریب کے ساتھ وابستہ ہو گیا ہے، اور بھی ضروری ہے"۔

اس کے بعد اسی مکتوب میں بدعت میں ـــــ کسی قسم کے حُسن و جمال ہونے اور بدعتِ حسنہ کی تعبیر و اصطلاح کی مخالفت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :۔

"گزشتہ لوگوں میں سے بعض نے بدعت میں کچھ حسن دیکھا کہ بدعت کی بعض قسموں کو

انھوں نے مستحسن قرار دیا لیکن اس فقیر کو اس مسئلہ میں ان سے اتفاق نہیں، وہ کسی بھی بدعت کو حسنہ نہیں سمجھتا اور اس میں اس کو سوائے ظلمت و کدورت کے کچھ اور محسوس نہیں ہوتا، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"کل بدعۃ ضلالۃ"[1] ہر بدعت گمراہی ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں جو عربی میں میر محب اللہ کے نام ہے تحریر فرماتے ہیں:۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگوں نے کہاں سے کسی ایسے کام میں حُسن ہونے کا فیصلہ کیا جو اسلام کے دین کامل اور خدا کے پسندیدہ و مقبول مذہب میں اتمام نعمت کے بعد ایجاد کیا گیا ہو، کیا ان کو یہ موٹی بات معلوم نہیں کہ اتمام و اکمال اور قبولیت کے بعد کسی دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی جائے تو اس میں حُسن نہیں ہو سکتا" فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ (حق کے بعد صرف ضلال ہی کا درجہ رہ جاتا ہے)۔

اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ دین کامل میں کسی نو پیدا شدہ چیز کے حسن کا فیصلہ کرنا اس کے عدم کمال کو مستلزم ہے، اور اس بات کا اعلان کہ نعمت ابھی تمام نہیں ہوئی تو وہ کبھی اس کی جرأت نہ کرتے"۔[2]

ایک دوسرے مکتوب میں اسی استثنا پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"جب (دین میں) ہر نو ایجاد چیز بدعت ہوگی اور ہر بدعت ضلالت، تو کسی بدعت میں حُسن پائے جانے کا کیا مطلب؟ اور جب احادیث سے صاف طریقہ پر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ہر بدعت رافع سنت ہوتی ہے، اور اس میں کوئی تخصیص نہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہر بدعت سیئہ ہے، حدیث میں آتا ہے:۔

ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلها من السنۃ، فتمسك بسنۃ خیر من احداث بدعۃ۔	جب کوئی قوم کوئی بدعت نکالتی ہے تو اسی کے بقدر سنت اٹھالی جاتی ہے، پس سنت سے وابستگی بدعت کی ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

---

[1] مکتوب ۲۳/۲ بنام مخدوم زادہ خواجہ محمد عبداللہ۔ [2] مکتوب ۱۹/۲ بنام میر محب اللہ۔

حضرت حسان رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ماابتدع قوم بدعة فی دینهم الانزع	جب بھی کوئی قوم اپنے دین میں کوئی بدعت پیدا
الله من سنتهم مثلها، ثم لایعیدها	کرے گی تو ضرور اللہ تعالےٰ ان سنتوں میں سے جن پر
الیهم الی یوم القیامة۔	وہ عمل پیرا ہیں کوئی سنت ضرور سلب کرے گا
	پھر قیامت تک وہ ان کو واپس نہ دے گا۔

جاننا چاہئے کہ بعض بدعتیں جن کو علماء ومشائخ نے حسنہ سمجھا ہے، جب ان پر اچھی طرح سے غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی رافع سنت ہیں[1]"

اسی مکتوب میں بدعت حسنہ کے وجود کا بالکل انکار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"لوگوں نے کہا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ، اس نیک عمل کو بدعت حسنہ کہتے ہیں، جو عہد رسالت اور خلفائے راشدین کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہو، اور اس سے کوئی سنت نہ اٹھتی ہو، اور بدعت سیئہ وہ ہے، جو رافع سنت ہو، اس فقیر کو ان بدعات میں سے کسی بدعت میں حسن ونورانیت نظر نہیں آتی، اور اس میں سوائے ظلمت وکدورت کے کچھ محسوس نہیں ہوتا، فرض بھی کر لیا جائے کہ آج کسی عمل مبتدع میں ضعف بصارت کی وجہ سے تازگی اور صفائی نظر آتی ہے تو کل جب نظر تیز اور دور بیں ہوگی تو خسارہ کے احساس اور ندامت کے سوا کوئی نتیجہ نہ نکلے گا ہ

بوقت صبح شود ہم چو روز معلومت
کہ باکہ باختۂ عشق درشب دیجور

سید البشر صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

---

[1] مکتوب ۱۸۶ بنام خواجہ عبدالرحمٰن مفتی کابلی۔

من احدث فی امرنا ھذا ما لیس — جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز پیدا کرے گا

منہ فھو رد[1] — جو اس کے اصل میں نہیں ہے تو وہ رد ہے (مقبول نہیں)

ان بدعات حسنہ میں جو اس زمانہ میں رواج پذیر ہو رہی تھیں، ایک محفل میلاد بھی تھی، اس کے مقصد اور عالی انتساب کی وجہ سے اس کا بدعت کہنا اور اس کی مخالفت بڑا نازک اور دشوار کام تھا، اور اس سے عوام میں غلط فہمی پیدا ہونے اور اس کو بے ادبی اور محبت کی کمی پر محمول کرنے کا خطرہ تھا، لیکن حضرت مجدد نے جن کو اس بارے میں کامل شرحِ صدر حاصل تھا، کہ جس چیز کا ثبوت خیر القرون میں نہیں ہے، اس میں دین کی ترقی اور امت کی فلاح نہیں ہے، اور اس میں مرور زمانہ کے ساتھ مختلف مفاسد کا اندیشہ ہے، آپ سے استفسار کیا گیا کہ اگر محفلِ میلاد محظورات سے خالی ہو تو اس میں کیا حرج ہے؟ جواب میں ارشاد ہوا:-

"مخدوما! اس فقیر کے ذہن میں یہ آتا ہے کہ جب تک کہ اس کا دروازہ مطلقاً نہ بند کر دیا جائے گا، اہل ہوس اس سے باز نہیں رہیں گے، اگر ذرا بھی اس کے جواز کا فتویٰ دیا جائے گا تو رفتہ رفتہ بات کہیں سے کہیں پہونچ جائے گی" قلیلہ یُفضِی اِلی کثیرہ[2]"

اس طرح حضرت مجدد کے اس مبصرانہ و جرأتمندانہ اقدام (بدعات کی عمومی مخالفت اور بدعت حسنہ کے وجود سے اختلاف) سے ایک بڑے خطرہ کا انسداد اور ایک بڑے دینی انتشار کا سدّباب ہو گیا، جو غیر محقق علماء کی تائید، خانقاہوں کی سرپرستی اور خوش اعتقاد امراء و رؤساء کی دلچسپی اور حمایت کی وجہ سے اسلامی معاشرہ میں پھیلتا جا رہا تھا، فجزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء۔

---

[1] مکتوب ۱۸۶/۱ بنام خواجہ عبدالرحمٰن مفتی کابلی۔ [2] مکتوب ۷۲/۳ بنام خواجہ حسام الدین۔

باب ششم

وحدۃ الوجود یا وحدۃ الشہود؟

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور مسئلۂ وحدۃ الوجود کی تفصیل و تدوین

متقدمین صوفیاء کی زبان سے جو مغلوب الاحوال ہوتے تھے، "اتحاد نما" اقوال جو وحدۃ الوجود پر دلالت کرتے ہیں، صادر ہوئے ہیں، ان میں مشہور شیخ و عارف حضرت بایزید بسطامی کا (جو اکثر سلاسل طریقت کے مشائخ کبار میں ہیں) قول "سبحانی ما اعظم شأنی" اور "لیس فی جبتی الا اللہ" اور حسین بن منصور حلاّج کا نعرۂ أنا الحق خاص طور پر مشہور ہے۔

لیکن شیخ محی الدین بن عربی (م ۶۳۸ھ) جو شیخ اکبر کے نام سے شہرۂ آفاق ہیں، اس ذوق اور مسلک کے مجدد و خاتم اور علمی طور پر بانی و موسّس ہیں، اور انھیں کے زمانے سے اس کی شہرت و مقبولیت اس درجہ کو پہونچی کہ وہ اہل تصوف میں موسمی اثر کی طرح سرایت کرگئی، جس سے قوی مزاج بھی کلّی طور پر محفوظ نہیں رہتا، یہاں تک کہ وہ اہلِ ذوق و تحقیق کا شعار اور ان کا "کلمۂ جامعہ" بن گیا، اور اس کا انکار کرنا اپنی جہالت کا ثبوت دینا یا بزم تصوف میں نامحرم و طفیلی ہونے کا اعلان کرنا تھا، بقول حضرت مجدد:۔

"انھوں نے اس کے اس طرح ابواب و فصول مقرر کئے جس طرح علم نحو و صرف

میں دستور ہے"[1] شیخ اکبر کے نزدیک وحدۃ الوجود کی حقیقت کیا ہے، وہ اس کو کس طرح پیش کرتے ہیں، اس پر کیا دلائل قائم کرتے ہیں، اور اس کو کس طرح ایک بدیہی حقیقت، ایک عملی تجربہ اور کشف و مشاہدہ کا معاملہ بنا دیتے ہیں، پھر اس نے کس طرح ایک مستقل فلسفہ اور "مدرسہ" کی حیثیت اختیار کر لی، اور اس پر اتنا بڑا کتب خانہ تیار ہو گیا جس کا اجمالی جائزہ لینے کے لئے بھی ایک ضخیم دفتر درکار ہے، پیش نظر کتاب میں اس کا ضمنی و اجمالی تذکرہ بھی مشکل ہے، یہ مسئلہ چونکہ فلسفہ اور تصوف دونوں کا دقیق ترین مسئلہ ہے، جس کے لئے فلسفہ اور تصوف کی دقیق اصطلاحات کا جاننا ضروری ہے، اور اس کا باطنی تجربات اور علمی سیر و سلوک سے بھی گہرا تعلق ہے، اس لئے اس مختصر باب میں اس کا احاطہ مشکل ہے، قارئین میں سے جن حضرات کو اس کو علمی طور پر سمجھنے کا ذوق ہو وہ شیخ اکبر کی مشہور تصانیف "فتوحات مکیہ" اور "فصوص الحکم" کی طرف رجوع کریں[2]، حضرت مجدد صاحبؒ وحدۃ الشہود کے اثبات میں طویل مکتوبات تحریر فرمائے ہیں، ان میں شیخ اکبر کے مسلک کو جس طرح پیش کیا ہے، اور اس کی جو تلخیص و ترجمانی فرمائی ہے، ان سے بھی اس مسلک اور اس کے مقصود و مراد کے سمجھنے میں مدد ملے گی، ان کے ضروری اقتباسات اس مضمون میں اپنی جگہ پر آئیں گے۔

ہم یہاں پر علامہ عبد العلی بحر العلوم لکھنوی (م ۔ ۱۲۲۵ھ) کے رسالہ وحدۃ الوجود کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں، مصنف علوم حکمت و اصول کے بحر زخار ہونے کے ساتھ شیخ اکبر کے نظریۂ وحدۃ الوجود کے شارح و ترجمان ہیں، اور ان کی تصنیفات بالخصوص "فتوحات مکیہ"

---

[1] مکتوب ۸۹/۳ بنام قاضی اسمٰعیل فرید آبادی۔ [2] اس سلسلہ میں سید شاہ عبد القادر مہربان فخری میلاپوری (م ۱۲۰۴ھ) کی کتاب "اصل الاصول فی بیان مطابقۃ الکشف بالمعقول والمنقول" (مطبوعہ مدراس یونیورسٹی ۱۹۵۹ء) کا مطالعہ بھی مفید ہوگا، جو اس موضوع پر بڑی جامع کتاب ہے۔

اور فصوص الحکم کے غواص و شناور، ان اقتباسات سے کسی قدر شیخ اکبر کے منشا و مراد کے سمجھنے میں مدد ملے گی، اگرچہ ان میں بھی ایسے متعدد اصطلاحات اور تعبیرات آئی ہیں، جن سے اہل فن اور وہی حضرات واقف ہیں جو اس سلسلہ کے عارفین کی زبان و طرزِ بیان سے مانوس ہیں، اس سے مختصر و واضح ترجمانی ہم کو نہیں مل سکی، اس لئے اس سے مدد لی گئی :۔

"اللہ تعالےٰ کے سوا جو کچھ ہے، وہ عالم شیونات و تعینات ہے، تمام شیونات و تعینات اس کے مظاہر ہیں، اور وہ ان میں ظاہر اور ساری ہے، اس کی سرایت وہ نہیں جس کے حلولی قائل ہیں، یا جس کا بیان اتحادی کرتے ہیں، بلکہ یہ سریان مثل اس سریان کے ہے، جو گنتی کے اعداد میں ایک کی ہے، گنتی کے تمام اعداد بجز اکائیوں کے اور کچھ نہیں، عالم میں ایک ہی عین یعنی ایک ہی ذات کا ظہور ہے، کثرت میں وہی ظاہر ہے، اپنی ذات سے کثرت کا وجود نہیں ہے، اللہ کی پاک ذات کے وجود سے اس کا ظہور ہوا ہے، اللہ ہی کی ذات اس کثرت میں ظاہر ہے، اللہ ہی اول ہے، اللہ آخر ہے، اللہ ہی ظاہر ہے، اللہ ہی باطن ہے، اللہ ان کے شریک بنانے سے پاک ہے۔"

"اللہ تعالےٰ کے نام بغیر کسی مظہر کے ظاہر نہیں ہوتے، وہ مبارک نام چاہے تنزیہی ہوں چاہے تشبیہی، اب جب کہ اسماء مظاہر پر موقوف ہوئے اور بغیر مظاہر کے ان کا کمال متصوّر ہی نہیں ہو سکتا، تو اللہ تعالےٰ نے اعیانِ عالم کو موجود کیا، تاکہ وہ اعیان اس کے مظاہر ہوں اور اس کے اسماء کا کمال پوری طرح ظاہر ہو۔

اللہ تعالےٰ اپنے ذاتی کمال میں قطعاً غنی ہے، لیکن اسمائی کمال کے مرتبہ میں عالم کے وجودِ خارجی سے غنی نہیں ہے۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں :۔

پرتوِ معشوق گر افتاد بر عاشق چہ شد　　مابدُو محتاج بودیم اُو بہ ما مشتاق بود

یعنی اگر معشوق کا سایہ اور پرتو عاشق پر پڑ گیا تو کیا بات ہوئی ہم اس کے محتاج تھے، اور وہ ہمارا مشتاق تھا، یہ بیان اس حدیث قدسی سے ثابت ہے "کنت کنزاً مخفیاً فأحببت ان اعرف فخلقت الخلق" میں ایک مخفی خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ میں پہچان لیا جاؤں لہذا خلق کو میں نے پیدا کیا تاکہ میرا ظہور ہو اور مخلوقات مظہر ہو میرا اور میرے اسماء کا۔"

"جو دو وجود کا قائل ہوا کہ ایک اللہ کا وجود ہے اور ایک ممکن کا تو وہ شرک کر رہا ہے، اور اس کا یہ شرک، شرک خفی ہے، اور جو شخص صرف ایک وجود کا قائل ہوا، اور اس نے کہا کہ وجود صرف اللہ ہی کا ہے، اس کے سوا جو کچھ ہے، وہ اس کے مظاہر ہیں اور مظاہر کی کثرت اس کی وحدت کے منافی نہیں تو یہ شخص موحد ہے۔"

"تم حق کے عین نہیں ہو کیونکہ حق تعالیٰ وجود مطلق ہے اور تم مقید اور متعین ہو، اور متعین کسی طرح بھی عین مطلق نہیں ہو سکتا، ہاں تم اپنی حقیقت سے عین حق ہو، حق تعالیٰ تم میں متعین ہوا ہے، تم اللہ کو عین موجودات میں تعین کی قید سے آزاد اور تعین کی قید سے مقید پا رہے ہو، یعنی اللہ تعالیٰ کو متعین میں ظاہر دیکھ رہے ہو، "لا موجود ولا إله إلا الله" اللہ کے سوا نہ کوئی موجود ہے، اور نہ کوئی معبود ہے[1]۔"

اس مسئلہ کا اثر شیخ اکبر کے زمانہ کے بعد اتنا ہمہ گیر بلکہ عالمگیر تھا کہ کہا جا سکتا ہے کہ صوفیاء فلاسفہ اور شعراء میں نوے فیصد اس مسئلہ کے قائل یا اس سے مرعوب ہو کر اس کے ہمنوا بن گئے ہیں، شیخ سے اختلاف کرنے والے زیادہ تر محدثین، فقہاء اور وہ علماء ہیں جن کو علمائے ظاہر کہا جاتا ہے، ان میں حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ سخاوی، ابو حیان مفسر،

---

[1] رسالہ "وحدۃ الوجود" تالیف بحر العلوم علامہ عبد العلی انصاری لکھنوی، مترجمہ مولانا شاہ زید ابو الحسن فاروقی مجددی شائع کردہ ندوۃ المصنفین دہلی ص ۲۹-۵۶

شیخ الاسلام عزّالدین ابن عبدالسلام، حافظ ابوزرعہ، شیخ الاسلام سراج الدین البلقینی، ملا علی قاری، علامہ سعدالدین تفتازانی، جیسے نامور علماء اور ائمۂ فن تھے۔

یہ حضرات اگرچہ اپنے علم و فضل، کتاب و سنت پر وسیع اور گہری نظر اور علوم دینیہ میں تبحر کے لحاظ سے بہت فائق تھے، لیکن ایک دو کو مستثنیٰ کر کے اہل تصوف و حقائق کو ان میں سے کسی کا حقائق و علوم باطنی کا رمز آشنا ہونا تسلیم نہیں، اس لئے ان کی مخالفت کو "الناس اعداء ما جھلوا" (لوگ جس کو جانتے نہیں، اس کے دشمن ہو جاتے ہیں) کے عام اصول پر محمول کیا گیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور عقیدۂ وحدۃ الوجود کی مخالفت و تنقید

مسئلہ وحدۃ الوجود کی مخالفت کے سب سے بڑے علمبردار اور اس پر کتاب و سنت کی بنیاد پر اور ان اثرات و نتائج کی روشنی میں جو قریبی عرصہ میں اس مسئلہ و تحقیق کے اختیار کرنے کی وجہ سے تصوف کے حلقہ میں اور عوام میں ظاہر ہونے شروع ہو گئے تھے، تنقید و تبصرہ اور اس کا تحلیل و تجزیہ کرنے میں شیخ الاسلام تقی الدین حافظ ابن تیمیہؒ (۶۶۱ــ ۷۲۸ھ) کا نام سب سے زیادہ روشن ہے، وہ شیخ اکبر کی وفات (۶۳۸ھ) سے تئیس سال بعد پیدا ہوئے، شیخ اکبر کی وفات جس شہر (دمشق) میں ہوئی اور جس کو ان کی آخری آرامگاہ اور مدفن بننے کا شرف حاصل ہوا، وہیں امام ابن تیمیہؒ نے ہوش سنبھالا، تعلیم و تربیت حاصل کی اور یگانہ علمی و ذہنی کمالات کو پہونچے، ان کا شعور جب بالغ ہوا اور وہ جب ماحول پر ناقدانہ نظر ڈالنے کے قابل ہوئے تو شیخ اکبر کی وفات کو ۴۰۔۴۵ سال سے زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا، مصر و شام کی فضا ان کی علمی نادر تحقیقات کے شور سے گونج رہی تھی، اور علم و معرفت کے خم خانے

ان کے ذوق توحید سے مخمور تھے، مصر میں شیخ ابوالفتح نصر المنجبی، شیخ اکبر کے غالی معتقدین میں تھے اور سلطنت کا مدار المہام اور سیاہ وسفید کا مالک رکن الدین بیبرس الجاشنگیر، شیخ نصر المنجبی کا معتقد ومرید تھا، شام میں اور اسی طرح بیشتر عرب ممالک میں شیخ کی کتابیں خصوصاً "فتوحات مکیہ" اور "فصوص الحکم" عام طور پر متداول تھیں، اور لوگ ان کو پڑھ پڑھ کر سر دھنتے تھے، خود امام ابن تیمیہؒ نے اعتراف کیا ہے کہ "فتوحات مکیہ" "کنہ المحکم المربوط" "الدرّۃ الفاخرۃ" "ومطالع النجوم" وغیرہ میں بڑے اچھے علمی فوائد ونکات ملتے ہیں، شیخ اکبر کے مسلک کے حاملین میں ابن سبعین، صدر الدین قونوی، (جو شیخ اکبر کے براہ راست شاگرد تھے) بلیانی اور تلمسانی خاص طور پر شہرۂ آفاق تھے، امام ابن تیمیہؒ نے اس پوری جماعت میں شیخ اکبر کو ان سب پر ترجیح دی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے انصاف وتحقیق کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے اور "اِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ" پر عمل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:-

"ابن عربی ان لوگوں میں اسلام سے قریب تر ہیں، اور ان کا کلام بہت سے مقامات پر نسبتاً بہتر ہے، اس لئے کہ وہ مظاہر..... اور ظاہر میں فرق کرتے ہیں، امر ونہی اور شرائع واحکام کو اپنی جگہ رکھتے ہیں، مشائخ نے جن اخلاق وعبادات کی تاکید کی ہے، ان کے اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، اس لئے بہت سے عابد وصوفی ان کے کلام سے سلوک کو اخذ کرتے ہیں، اگرچہ وہ ان کے حقائق کو اچھی طرح نہیں سمجھتے، ان میں سے جو ان حقائق کو سمجھ لیتے ہیں، اور ان کی موافقت کرتے ہیں، ان پر ان کے کلام کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے"[1]

دوسری جگہ ایک بلند مرتبہ مسلمان سے حسن ظن اور اپنے حکم لگانے کی نازک ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

---

[1] مکتوب شیخ الاسلام بنام شیخ نصر المنجبی مندرجہ "جلاء العینین" ص ۵۷

"اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ ان کا خاتمہ کس چیز پر ہوا، اللہ تعالیٰ تمام مسلمان مردوں اور عورتوں زندہ و مردہ کی مغفرت فرمائے" رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (ہمارے پروردگار، ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ چلے گئے اور ہمارے دلوں میں اہلِ ایمان کی طرف سے کھوٹ نہ رکھ اے ہمارے پروردگار تو بہت شفقت والا مہربان ہے[1])"۔

عقیدۂ وحدۃ الوجود کے غالی مبلغ و داعی اور ان کے اثرات و نتائج

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس تحقیق کے خاص مزاج و مذاق، اس کی عمومی تبلیغ و اشاعت اور اس کی تعلیم و تلقین میں زیادہ جوش سے کام لینے اور احتیاط ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے خود شام میں جو علوم دینیہ کا بڑا مرکز اور مصر کی مسلم ترکی النسل حکومت کا ایک اہم صوبہ تھا، ایک طرح کا ذہنی و اخلاقی انتشار پیدا ہونے لگا تھا، لوگ شریعت، عقل اور اخلاق کے حدود پھلانگنے لگے تھے، اور ایک بحرانی کیفیت اسلامی معاشرہ میں رونما تھی، ایک حکیم کے قول کے مطابق "درخت اپنی جڑ سے نہیں اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" عقیدۂ وحدۃ الوجود کا درخت جس طرح کے برگ و بار لانے لگا تھا، وہ ایک حامی شریعت، اور غیور عالم و داعی کے لئے باعث تشویش اور موجبِ نقد تھے۔

امام ابن تیمیہؒ ناقل ہیں (اور وہ نقول میں عام طور پر محتاط ہیں) کہ تلمسانی (جو اس معرفت کے علم میں سب سے بڑھے ہوئے تھے) مسلک وحدۃ الوجود کے صرف قائل ہی نہیں بلکہ اس پر عامل بھی تھے، شراب پیتے تھے، اور محرمات کا ارتکاب کرتے تھے (کہ جب موجود

---

[1] ایضاً

ایک ہے تو حلال و حرام کی تفریق کیسی ؟) امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :۔

"مجھ سے ایک معتبر آدمی نے بیان کیا کہ وہ تلمسانی سے "فصوص الحکم" کا درس لیتے تھے، اور اس کو اولیاء اللہ اور عارفین کا کلام سمجھتے تھے، جب انھوں نے فصوص کو پڑھا اور دیکھا کہ اس کے مضامین تو قرآن شریف کے صریح مخالف ہیں تو انھوں نے تلمسانی سے کہا کہ یہ کلام تو قرآن کے خلاف ہے، تو اس نے جواب دیا کہ قرآن تو سارا شرک سے بھرا ہوا ہے، اس لئے کہ وہ رب و عبد کے درمیان فرق کرتا ہے، توحید تو ہمارے کلام میں ہے، اس کا یہ بھی مقولہ ہے کہ کشف کے ذریعہ وہ ثابت ہوا ہے، جو صریح عقل کے خلاف ہے[1]"

وہ مزید لکھتے ہیں :۔

"ایک شخص نے جو تلمسانی اور اس کے ہم خیال کے ساتھ تھا، مجھے خود سنایا کہ ہمارا گذر ایک مردہ کتے کے پاس سے ہوا جس کو خارش تھی، تلمسانی کے رفیق نے کہا کہ یہ بھی ذات خداوندی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کیا کوئی چیز اس کی ذات سے خارج ہے، ہاں سب کے سب اسی کی ذات کے اندر ہیں[2]"

وہ اپنی دوسری کتاب "الرد الأقوم علی فصوص الحکم" میں لکھتے ہیں :۔

"بعض لوگوں سے کہا گیا کہ جب وجود ایک ہے تو بیوی کیوں حلال اور ماں حرام ہے؟ اس محقق نے جواب دیا کہ ہمارے نزدیک سب ایک ہیں، لیکن ان محجوبین نے (جو توحید حقیقی سے ناآشنا ہیں) کہا کہ ماں حرام ہے، ہم نے بھی کہا کہ ہاں تم (محجوبین) پر حرام ہے[3]"

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان بیباکانہ اقوال اور اباحیت و فوضویت (اخلاقی انارکی)

---

[1] الفرقان بین الحق والباطل ص۱۴۵ [2] ایضاً [3] ایضاً ص۴۲

کی ذمہ داری شیخ اکبر جیسے عارف ومحقق پر یا ان کی کتابوں پر عاید ہوتی ہے، جو بغایت درجہ متبع سنت[1]، عابد وزاہد، مرتاض ومجاہد اور نفس سے شدید محاسبہ کرنے والے، مکاید شیطان اور غوائل نفس سے بدرجۂ تمام واقف تھے[2]، لیکن ان کے یہاں اس طرح کے غریب اور موحش اقوال ملتے ہیں، جن سے رائی کا پربت بنا لینے والوں کو مسالہ ہاتھ آتا ہے، مثلاً یہ کہ "عہد موسوی کے گوسالہ پرستوں نے درحقیقت خدا ہی کی پرستش کی تھی، موسیٰؑ نے ہارونؑ کو جو ٹوکا تھا، تو اس بات پر کہ انہوں نے گوسالہ پرستی کی (جو دراصل خدا پرستی تھی اس لئے کہ موجود تو ایک ہی ہے) مخالفت کیوں کی؟ ان کے نزدیک موسیٰؑ ان عارفین میں سے تھے، جو ہر چیز میں حق کا مشاہدہ کرتے ہیں، اور اس کو ہر چیز کا عین سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک فرعون اپنے اس دعویٰ میں برسرحق تھا کہ "أنا ربکم الأعلیٰ" بلکہ وہ عین تھا، فرعون کو چونکہ تکوینی طور پر منصب حکومت حاصل تھا، اور وہ صاحب حق تھا، تو اس نے بجا طور پر "أنا ربکم الأعلیٰ" کہا، اس لئے کہ جب سب کسی نہ کسی نسبت میں رب ہیں تو میں ان میں سب سے اعلیٰ ہوں، کیوں کہ مجھے ظاہر میں تم پر حکومت کرنے اور فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جادوگروں کو جب فرعون کی صداقت کا علم ہوا تو انھوں نے اس کی مخالفت نہیں کی، بلکہ اس کا اعتراف کیا اور کہا کہ "إقض ما أنت قاض إنما تقضی هذه الحیاة الدنیا" (جو تمہیں فیصلہ کرنا ہو کر و تم اس دنیا کی زندگی پر حکم چلا سکتے ہو) اس لئے فرعون کا یہ کہنا بالکل بجا تھا کہ "أنا ربکم الأعلیٰ" وہ حضرت نوحؑ پر تنقید کرتے ہیں، اور ان کی کافر قوم کی تصویب وتعظیم، جنھوں نے پتھروں کی پرستش کی، وہ کہتے ہیں، کہ ان بت پرستوں نے درحقیقت اللہ ہی کی

---

[1] شیخ اکبر امام داؤد ظاہری کے مذہب ظاہری کے پیرو تھے، جو قیاس کے قائل نہیں اور ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ [2] مثال کے طور پر ملاحظہ ہو ان کا رسالہ "روح القدس"۔

عبادت کی تھی، اور طوفان نوحؑ دراصل معرفتِ الٰہی کی طغیانی اور اس کے سمندر کا جوش تھا جس میں وہ غرق ہوئے[1]۔

اسی بنا پر بہت سے ایسے مشائخ و عارفین جو شیخ اکبر کے علوم مرتبہ کے قائل تھے، اور ان کو مقبولین میں سمجھتے تھے، وہ اپنے اہل تعلق کو ان کی کتابوں کے عام مطالعہ سے سختی سے منع کرتے تھے، شیخ محی الدین عبدالقادر عیدروسی مصنف "النور السافر" اپنے شیخ علامہ بحرق سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے مرشد شیخ وقت شیخ ابوبکر عیدروسی نے بیان کیا کہ مجھے یاد نہیں کہ میرے والد (شیخ عبداللہ ابن ابی بکر حضرمی) نے مجھے کبھی مارا یا جھڑکا ہو، یہ واقعہ ایک ہی مرتبہ پیش آیا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے میرے ہاتھ میں شیخ اکبر کی "فتوحات مکیہ" کا ایک جز دیکھا، ان کو سخت غصہ آیا، میں نے اس دن سے ان کتابوں کو ہاتھ نہیں لگایا، وہ کہتے تھے کہ میرے والد شیخ کی دونوں کتابوں، فتوحات، اور فصوص، کے مطالعہ سے شدت سے منع کرتے تھے، لیکن اسی کے ساتھ شیخ سے حسن ظن رکھنے کی تاکید بھی کرتے تھے، اور اس کا عقیدہ رکھنے کی ہدایت کرتے تھے کہ وہ اکابر اولیاء اللہ اور کبار عارفین میں تھے[2]۔

عقیدۂ وحدۃ الوجود ہندوستان میں

آٹھویں صدی میں جب یہ عقیدہ ہندوستان آیا تو اس وجہ سے کہ ہندوستان خود

---

[1] شیخ اکبر کے یہ سب اقوال "الرد الأقوم علی ما فی کتاب فصوص الحکم" اور "الفرقان بین الحق والباطل" سے ماخوذ ہیں، اور امام نے ان کو "فصوص الحکم" سے اقتباس کر کے لکھا ہے، یہاں اس بات کا بھی اظہار ضروری ہے کہ شیخ اکبر کے علوم سے اشتغال رکھنے والوں کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ شیخ کی کتابوں بالخصوص "فصوص الحکم" میں کثرت سے الحاقات و اضافات کئے گئے ہیں۔

[2] النور السافر ص ۳۴۶

اس مسلک وذوق کا قدیم ترین اور پرجوش ترین قائل وداعی رہ چکا تھا، اور بعض مورخینِ تصوف کے قول کے مطابق متصوفین اسلام نے جو ایران، عراق اور مغرب میں پیدا ہوئے توحیدِ وجودی کا سبق ہندوستان ہی سے لیا تھا، اسلام کی آمد کے بعد بھی بلا کسی انقطاع کے یہ ملک اس مسلک وعقیدہ کا علمبردار "ہمہ اوست" کا قائل ہے، اور آرین نسلوں کے مزاج اور یہاں کے مذاہب اور فلسفوں کی (جو سامی اقوام اور انبیاء کے مرزبوم میں پیدا ہونے والے مذاہب کے برخلاف تعینات وقیود سے گریزاں اور وحدت وجود اور وحدت ادیان کے ہزاروں برس سے قائل ہیں) اطلاق پسندی کی وجہ سے اس مشرب نے اور گہرا اور شوخ رنگ اختیار کر لیا، اور یہاں آکر اس فلسفہ کے مزاج نے مقامی مزاج سے ہم آہنگ وہم آغوش ہو کر ایک نیا جوش اور ایک نیا مکتب خیال پیدا کر لیا، یہاں کے مشائخ میں ایک بڑی تعداد اس مشرب کی حامی و حامل اور مبلغ وداعی نظر آتی ہے، ان میں خاص طور پر سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے نامی وگرامی شیخ شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ (م ۹۴۴ھ) شیخ عبدالرزاق جھنجھانوی (م ۹۴۹ھ) شیخ عبدالعزیز دہلوی معروف بہ شکر بار (م ۹۷۵ھ) شیخ محمد ابن فضل اللہ برہان پوری (م ۱۰۲۹ھ) اور شیخ محب اللہ الہ آبادی (م ۱۰۵۸ھ) میں سے ہر ایک اپنے عہد وعصر کا ابن عربی اور اپنے شہر ومصر کا ابن فارض تھا، ان میں سے اکثر حضرات حضرت مجدد سے کچھ پیشتر یا ان کے زمانہ سے قریب یا متصلاً مسند آرائے تحقیق وارشاد ہوئے۔

شیخ علاء الدولہ سمنانی اور وحدۃ الوجود کی مخالفت،

جیسا کہ اوپر کہا گیا مسلک وحدۃ الوجود کی تردید اور شیخ اکبر پر تنقید کرنے والے زیادہ تر علوم ظاہر کے دریا کے غواص اور حقیقت ومعرفت کے کوچہ، ریاضت ومجاہدہ کی دنیا اور

معارف وحقائق اور علمی تجربات اور ذوق سے ناآشنا تھے، اس لئے اس مشرب کے ذوق آشنا ان کی تنقیدات کو یہ کہہ کرنا قابل اعتناء قرار دے دیتے تھے کہ۔ ع

لذّتِ مے نشناسی بخدا تا نچشی

اور۔ ع،

چوں نہ دیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

پہلے محقق اور مسلم صوفی اور عارف جنھوں نے خصوصیت واہتمام کے ساتھ اس مشرب کی تنقید اور تردید کی وہ شیخ رکن الدین ابوالمکارم علاء الدولہ سمنانی ہیں[1]۔

علاء الدولہ السمنانی (۶۵۹-۷۳۶ھ) خراسان میں سمنان کے ایک دولت منداور مشہور گھرانہ میں پیدا ہوئے جس کے افراد حکومت ووزارت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، انھوں نے شیخ نورالدین عبدالرحمٰن الکسرقی الاسفرائنی سے کُبروی سلسلہ میں باطنی استفادہ کیا اور اجازت پائی، شیخ اکبر کے وحدۃ الوجود کے نظریہ کے خلاف انھوں نے مسلسل مناظرات جاری رکھے، اور اپنے خطوط میں بھی جابجا ذکر کیا، ان کے نزدیک سالکِ طریقت کی انتہائی منزل "توحید" نہیں بلکہ "عبودیت" ہے، ان کے ملفوظات ان کے مرید اقبال ابن سالق سیستانی نے مرتب کئے جس کے کئی نسخے "چہل مجلس" یا ملفوظات شیخ علاء الدولہ السمنانی وغیرہ کے ناموں سے کتب خانوں میں محفوظ ہیں، جامی کے "نفحات الانس" ص ۵۰۴۔ ص ۵۱۵ کا بیشتر حصہ بھی انہی ملفوظات پر مبنی ہے[2]۔

وحدۃ الشہود

ہمارے علم ومطالعہ میں دو نامور شخصیتیں ایسی گذری ہیں، جن کے یہاں وحدۃ الوجود

---

[1] مکتوبات امام ربانی مکتوب ۵۹ دفتر سوم [2] مقالہ F. MEIER مندرجہ "اردو دائرہ معارف اسلامیہ"۔

کے متوازی وحدۃ الشہود کا ذکر اور اس کی طرف اشارات ملتے ہیں، ان دونوں میں اختلافِ ذوق بلکہ متباین راستوں کے باوجود صرف ایک (حسن نیت، سلامت ذوق، اور اخلاص) کی وحدت ہے، جس پر ہدایت کے ابواب کے مفتوح ہونے کا وعدۂ قرآنی "وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" کے الفاظ ہیں، موجود ہے، ایک شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ جو اصلاً محدث، متکلم اور فقیہہ تھے، دوسرے مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ جو اصلاً عارف و محقق اور امام تصوف و حقیقت تھے، اول الذکر کی کتاب "العبودیۃ" سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وحدۃ الشہود کے کوچہ سے آشنا ہیں، اور اس حقیقت سے واقف ہیں کہ سالکین کو اثنائے سلوک میں یہ مقام پیش آتا ہے، اور وہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کاملین صحابۂ کرام وغیرہم کی معرفت سے فروتر لیکن وحدۃ الوجود کے مقام سے بہتر و بلند تر ہے[1]، لیکن چونکہ یہ ان کا اصل میدان نہیں اس لئے وہ صرف اشارات پر اکتفا کرتے ہیں۔

لیکن مخدوم بہاری (م ۷۸۲ھ) نے اپنے مکتوبات میں بڑی خوبی کے ساتھ اس مسئلہ کو پیش کیا ہے، وہ اپنے ذاتی تجربہ اور اس مقام کی تحقیق کی روشنی میں جو ان کو حاصل تھا کہتے ہیں کہ "عام طور پر جس کو وحدۃ الوجود اور غیر حق کا عدم محض اور فناءِ کامل سمجھا جاتا ہے، وہ دراصل وجود حقیقی کے سامنے دوسرے موجودات کا اس طرح ماند پڑ جانا اور مغلوب ہو جانا ہے، جس طرح آفتاب کی روشنی کے سامنے ستاروں کی روشنی ماند اور ذرات کا وجود بے حقیقت ہو جاتا ہے" وہ دو لفظوں میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتے ہیں "نابودن دیگر و نادیدن دیگر" کسی چیز کا معدوم و نابود ہو جانا اور چیز ہے، اور نظر نہ آنا اور چیز، اور فرماتے ہیں، یہ ایک ایسا نازک مقام ہے، جہاں اچھے اچھوں کے قدم لڑکھڑا گئے، اور توفیق الٰہی

---

[1] ملاحظہ ہو "رسالۃ العبودیۃ" ص ۸۵-۸۸ واما النوع الثانی فھو الغناء عن شھود السوی۔ الخ (المکتب الإسلامی، دمشق)

اور خضر کامل کے بغیر جادۂ حقیقت پر قائم رہنا مشکل ہے۔[1]

ایک نئی تجدیدی شخصیت کی ضرورت

لیکن اس مسئلہ کی تنقیح، اس سلسلہ میں اتمام حجت کے لئے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جو سیر و سلوک کی ان پر خار وادیوں اور ان اعلیٰ منازل سے گذر چکا ہو، دریائے حقیقت کا غواص ہو اور جو ان عملی تجربات کے مواج اور طوفانی سمندر سے گذر کر ساحلِ حقیقت پر پہونچا ہو، وہ عدم علم کو عدم شئی کی دلیل نہ بنائے بلکہ ایک عینی مشاہدہ اور ایک بلند ہمت و بلند نظر مسافر کی طرح پوری خود اعتمادی کے ساتھ علی وجہ البصیرۃ یہ کہے کہ جہاں تک توحید وجودی کا تعلق ہے ؎

ہوں اس کوچہ کے ہر ذرہ سے آگاہ
ادھر سے مدتوں آیا گیا ہوں

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہے۔ ع

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

وحدۃ الوجود کے سلسلہ میں اس وقت تک اثبات و نفی کرنے والوں کے تین مسلک رہے ہیں۔

۱۔ وحدۃ الوجود کا مکمل اثبات اور یہ کہ وہ ایک بدیہی حقیقت ہے، اور تحقیق و معرفت کی آخری منزل ہے۔

۲۔ وحدۃ الوجود کا مکمل انکار اور یہ کہ وہ وہم و خیال، قوت متخیلہ کی کارفرمائی اور باطنی مشاہدہ کے سوا کچھ نہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو مکتوب اول مکتوبات سہ صدی اور اس کا اقتباس مندرجہ "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ سوم ص ۲۸۴-۲۸۶

۳۔ وحدۃ الوجود کے متوازی وحدۃ الشہود کا نظریہ اور یہ کہ حقیقت میں سالک کو جو کچھ نظر آتا ہے، اور جو حقیقت نفس الامری ہے، وہ یہ نہیں کہ وجود واحد ہے، اور واجب الوجود کے سوا ہر وجود حقیقتاً منتفی و معدوم ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ موجودات اپنی جگہ پر موجود اور قائم ہیں، لیکن واجب الوجود کے وجود حقیقی کے نور نے ان پر ایسا پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ معدوم نظر آتے ہیں، اور جس طرح ستارے آفتاب کے طلوع کے بعد اس کے نور کے سامنے اس طرح ماند پڑ جاتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ ستارے نہیں ہیں تو وہ کاذب نہیں ہوگا، اسی طرح موجودات اس وجود کامل و حقیقی کے سامنے ایسے بے حقیقت نظر آتے ہیں کہ گویا ان کا سرے سے وجود ہی نہیں۔

مجدد صاحب کا اضافہ اور تجدیدی کارنامہ

مجدد صاحب نے ان تین مسلکوں کے مقابلہ میں ایک چوتھا مسلک اختیار کیا، وہ یہ کہ وحدۃ الوجود سالک کے سیر و سلوک کی ایک منزل ہے، اس کو عیاناً و مشاہدۃً نظر آتا ہے کہ وجود حقیقی و کامل کے علاوہ کسی چیز کا وجود نہیں، جو کچھ ہے، وہ سب ایک ہی وجود ہے، باقی سب اس کی "تلوینات و تنوعات" ہیں، یا شیخ اکبر اور اس مشرب وجودی کے عارفین کے بقول "تنزلات" ہیں

لیکن اگر توفیق الٰہی شامل حال اور شریعت کا چراغ رہنما ہوتا ہے، اور سالک کی ہمت بلند ہوتی ہے، تو دوسری منزل بھی سامنے آتی ہے، اور وہ وحدۃ الشہود کی منزل ہے۔

اس طرح حضرت مجدد وحدۃ الوجود (جو صدیوں تک عالی استعداد سالکین و عارفین اور دقیقہ رس حکماء اور غواصین کا مسلک رہا ہے) کی نفی اور اس کے سب سے بڑے علمبردار و شارح

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (جن کے علوم و معارف نکات و اسرار اور کمالاتِ روحانی کا انکار مکابرہ ہے) کے علوّ مقام، مقبولیت عند اللہ اور اخلاص کا انکار کئے بغیر بلکہ بلند الفاظ میں اس کا اعتراف کرتے ہوئے ایک اضافہ فرماتے ہیں، اور ایک نئی یافت و دریافت کا اعلان کرتے ہیں، جو ایک طرف عقیدۂ جمہور مسلمین، کتاب و سنت اور شریعت حقہ کے مطابق ہے، دوسری طرف وہ پیچھے کی طرف لے جانے اور ایک بڑے گروہ کے علوم و تحقیقات پر خط نسخ پھیرنے کے بجائے ایک ایسی چیز کا اضافہ کرتا ہے، جس سے نصوص شرعیہ، اصولِ قطعیہ اور سیرِ انفس و آفاق کے آخری مکشوفات و تحقیقات میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔

ذاتی تجربہ و مشاہدہ

اس تمہید کے بعد حضرت مجدد کے چند بلند پایہ مکتوبات کے (جو زیادہ واضح اور سہل الفہم ہیں) اقتباسات پڑھئے:۔

اپنے روحانی ارتقاء اور وحدۃ الوجود کے مشرب سے وحدۃ الشہود تک پہونچنے کا حال اپنے ایک اہل تعلق "شیخ صوفی" کو ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"مخدوم مکرم! کمسنی سے اس فقیر کا اعتقاد اہل توحید کا مشرب تھا، فقیر کے والد قدس سرہٗ ظاہراً اسی مشرب پر تھے، اور مستقلاً اسی طریق سے اشتغال رکھتے تھے، .....

بحکم "ابن الفقیہ نصف الفقیہ" فقیر کو بھی اس نسبت سے علمی طور پر حظ وافر حاصل تھا، اور وہ اس میں بڑی لذت پاتا تھا، یہاں تک کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے ارشاد پناہ، حقائق و معارف آگاہ مؤید الدین شیخ راشد رہنمائے راہ خدا محمد الباقی قدس سرہٗ کی خدمت میں پہونچایا، اور آں جناب نے اس فقیر کو طریقۂ علیہ نقشبندیہ کی تعلیم دی، اور اس کے

حال پر توجہ بلیغ ملحوظ رکھی، اس طریق علیہ کے اشتغال و ممارست کے بعد تھوڑی مدت میں اس پر توحید وجودی کا انکشاف ہوا، اور اس انکشاف میں ایک طرح کا غلو پیدا ہوگیا، اس مقام کے علوم و معارف کا بکثرت فیضان ہوا، اور اس مرتبہ کے دقائق میں شاید ہی کوئی بات رہی ہو جو منکشف نہ کر دی گئی ہو۔

شیخ محی الدین ابن عربی کے نازک و دقیق علوم جیسا چاہیئے تھا، سامنے آئے اور تجلیِ ذاتی جس کو صاحبِ فصوص نے بیان کیا ہے، اور اس کا وہ انتہائی عروج حاصل ہوا جس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ "مابعد ھذا الا العدم المحض" سے بھی مشرف کیا گیا، اور اس تجلی کے وہ علوم و معارف جس کو شیخ خاتم الولایت کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں، تفصیل علم میں آئے، اس توحید میں سُکر و غلبۂ حال اس حد تک پہونچا کہ اپنے بعض عرائض میں جو حضرت خواجہ کو لکھے تھے، ایسے سکر کے اشعار لکھ دیئے۔

اس حال نے مدت مدید تک طول کھینچا اور مہینوں سے برسوں کی نوبت آئی کہ ناگاہ حضرت حق کی عنایت بے غایت نے دریچۂ غیب سے منہ نکالا، وہ عرصۂ ظہور میں آئی اور بے چونی و بے چگونی "لیس کمثلہ شئ" کے چہرہ پر جو پردہ پڑا تھا، اس کو ہٹا دیا اور سابق کے وہ علوم جو اتحاد اور وحدۃ الوجود کی خبر دیتے تھے، روبزوال ہوئے، اور احاطہ اور سریان اور قرب و معیتِ ذاتی جو اس مقام میں منکشف ہوئی تھی، روپوش ہوگئی، اور یقین الیقین سے معلوم ہوگیا کہ صانع جل شانہ، اس عالم کے ساتھ ان نسبتوں میں سے کوئی نسبت نہیں رکھتا، اس کا احاطہ و قرب علمی ہے، جیسا کہ اہل حق کا عقیدہ ہے" شکر اللہ سعیھم" وہ پاک ذات کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں، وہ بے چون و بے چگون ہے، اور عالم سراسر اس داغ سے داغدار ہے، جو بے کیف ہے وہ باکیف کا عین اور مثل کیسے کہا جا سکتا ہے، واجب کو عین ممکن کیسے کہہ سکتے

ہیں ؟ قدیم عین حادث کبھی نہیں ہوسکتا، ممتنع العدم عین جائز العدم نہیں ہوسکتا، انقلاب حقائق محال ہے عقلاً و شرعاً اور ایک کا دوسرے پر محمول کرنا کبھی صحیح نہیں ہوسکتا، اصلاً وراسا، تعجب ہے کہ شیخ محی الدین اور ان کے تابعین، ذات واجب تعالےٰ کو مجہول مطلق کہتے ہیں، اور اس کو کسی حکم کا محکوم علیہ نہیں سمجھتے، پھر اس کے باوجود احاطۂ ذاتی اور قرب و معیت ذاتی کو ثابت کرتے ہیں، اس بارے میں صحیح بات وہی ہے، جو علماء اہل سنت نے کہی ہے کہ سارا معاملہ قرب علمی اور احاطۂ علمی کا ہے۔

مشرب توحید وجودی کے منافی ان علوم و معارف کے حصول کے زمانہ میں اس فقیر پر سخت اضطراب کا زمانہ گذرا اس لئے کہ وہ اس توحید سے بالاتر کسی اور امر کو نہیں سمجھتا تھا وہ بڑے تضرع و زاری کے ساتھ دعا کرتا تھا کہ یہ معرفت زائل نہ ہو، یہاں تک کہ سارے حجابات جو اس حقیقت پر پڑے ہوئے تھے، اٹھ گئے اور حقیقت نفس الامری منکشف ہوگئی، اور معلوم ہوا کہ عالم اگرچہ اللہ تعالےٰ کے کمالات صفاتی کے لئے آئینہ کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن مظہر (آئینہ میں جو عکس پڑ رہا ہے) وہ عین ظاہر (صاحب عکس) نہیں اور سایہ اپنی اصل کا (جس کا وہ سایہ ہے) عین نہیں ہوسکتا، جیسا کہ توحید وجودی کے قائلوں کا مسلک ہے۔

اس مسئلہ کو ایک مثال سے واضح کیا جاتا ہے، مثلاً ایک جامع علوم و فنون عالم کی خواہش ہوئی کہ وہ اپنے کمالات گوناگوں کو عرصۂ ظہور میں لائے، اور اپنے مخفی محاسن و کمالات کو منظر عام پر لائے، تو اس نے حروف و اصوات کی ایجاد کی تاکہ ان کے آئینوں میں اپنے کمالات مخفی کو ظاہر کرے، ایسی صورت میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ حروف و اصوات جو ان کمالات مخفی کی جلوہ گاہ اور آئینہ ہیں، ان کمالات کا عین یا ان کمالات کو محیط ہیں، یا ان کے قریب ہیں، یا معیت ذاتیہ رکھتے ہیں، بلکہ ان کے درمیان وہی نسبت ہوگی جو دال و مدلول کے

درمیان ہوتی ہے، حروف واصوات ان کمالات کی دلیل ہونے سے زیادہ اور کچھ نہیں، اور جو نسبت پیدا ہوئی ہے، وہ وہمی اور تخیلی ہے، فی الحقیقت ان نسبتوں (عینیت، اتحاد، احاطۂ قرب، معیت بالذات) میں سے کوئی بھی نسبت ثابت نہیں، لیکن چونکہ ان کمالات اور ان حروف واصوات کے درمیان ظاہر و مظہر اور مدلول و دال ہونے کی نسبت متحقق ہے، اس وجہ سے بعض لوگوں کو بعضے عوارض کی بنا پر ان وہمی نسبتوں کا حصول ہو جاتا ہے لیکن نفس الامر میں وہ کمالات ان تمام نسبتوں سے معرّا و مبرّا ہیں، حق اور خلق کے درمیان بھی اس دالّیت و مدلولیت اور ظاہریت و مظہریت کے سوا کوئی علاقہ نہیں .....

بعض حضرات کو مراقبۂ توحید کی کثرت ان وہمی احکام کے لگانے کے باعث ہو جاتی ہے، ان مراقبات کی صورت قوت خیالیہ میں منقش ہو جاتی ہے، بعض دوسرے لوگوں کو علم توحید اور اس کے اعادہ و تکرار سے ان احکام کا ایک طرح کا ذوق حاصل ہو جاتا ہے، بعض لوگوں کے اس طرف مائل ہونے کا سبب (اور وحدۃ الوجود کے قائل ہونے کا باعث) غلبۂ محبت ہے، اس لئے کہ محبوب کی محبت کے غلبہ کی بنا پر محب کی نظر سے غیر محبوب نکل جاتا ہے، اور وہ محبوب کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا، واقعہ یہ نہیں ہے کہ نفس الامر میں غیر محبوب کا وجود نہیں ہے، اس لئے کہ یہ مخالف حسّ و عقل و شرع ہے، اور کبھی یہی محبت احاطہ و قرب ذاتی کا حکم لگانے پر آمادہ کرتی ہے، ..... اور توحید کی یہ قسم پہلی دونوں قسموں سے اعلیٰ ہے، اور احوال کے دائرہ میں داخل ہے، اگرچہ نفس الامر کے مطابق اور عقل کے موافق نہیں ہے، شریعت اور نفس الامر کے ساتھ اس کی تطبیق کی کوشش تکلف محض ہے، غایت مافی الباب یہ خطائے کشفی ہے، جو خطائے اجتہادی کا حکم رکھتی ہے کہ ملامت و عتاب اس سے اٹھ جاتا ہے بلکہ ایک حیثیت سے حال و مغلوبیت ہونے کی وجہ سے اس کی تصویب کی جا سکتی ہے۔[1]

---

[1] مکتوب ۳۱/۱ بنام شیخ صوفی۔

توحید شہودی

ایک دوسرے مکتوب میں جو شیخ فرید بخاری کو لکھا گیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:۔

"وہ توحید جو سلوک کے دوران حضرات صوفیاء کو حاصل ہوتی ہے، اس کی دو قسمیں ہیں، توحید شہودی و توحید وجودی، توحید شہودی نام ہے ایک دیکھنے کا یعنی سالک کا مشہود سوائے ایک کے نہ ہو، اور توحید وجودی نام ہے ایک کو موجود جاننے کا اور غیر کو معدوم سمجھنے کا۔"

آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

"مثلاً ایک شخص کو آفتاب کے وجود کا یقین پیدا ہو گیا، اس یقین کا غلبہ اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ ستاروں کو اس وقت منتفی و معدوم جانے لیکن جس وقت کہ وہ آفتاب کو دیکھے گا، ستاروں کو نہ دیکھے گا، اس کا مشہود سوائے آفتاب کے کوئی نہ ہوگا، اور جس وقت وہ ستاروں کو نہیں دیکھے گا، اس وقت بھی وہ جانے گا کہ ستارے معدوم نہیں ہیں، بلکہ وہ جانے گا کہ وہ ہیں لیکن مستور ہیں، اور آفتاب کی روشنی کے پرتو اور غلبہ سے مغلوب ہیں[1]۔"

آگے لکھتے ہیں:۔

"حضرت قبلہ گاہی حضرت خواجہ باقی باللہؒ کچھ عرصہ تک توحید وجودی کا مشرب رکھتے تھے، انھوں نے اپنے رسائل و مکتوبات میں اس کا اظہار بھی فرمایا ہے، لیکن آخر میں کمال عنایت خداوندی نے ان کو اس مقام سے ترقی عطا فرمائی اور ایسی شاہراہ پر ڈال دیا جس سے اس معرفت کی تنگی سے خلاصی حاصل ہو گئی[2]۔"

ایک مکتوب میں شیخ اکبر اور ان کے متبعین کا مسلک بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

---

[1] مکتوب ۴۳/۱ بنام شیخ فرید بخاری۔ [2] ایضاً۔

"وہ وحدۃ الوجود کے قائل ہیں، ان کا خیال ہے کہ خارج میں ایک ہی موجود ہے، اور بس! اور وہ ذات حق ہے، عالم کا خارج میں قطعاً کوئی وجود نہیں، البتہ وہ اس کے ثبوت علمی کے قائل ہیں، اور کہتے ہیں کہ "الأعیان ماشمت رائحۃ الوجود" (یعنی اشیاء خارجی نے ہستی اور وجود کی بو بھی نہیں سونگھی ہے) وہ عالم کو حق سبحانہ تعالےٰ کا ظل سمجھتے ہیں، لیکن ان کے نزدیک یہ وجود ظلی محض مرتبۂ حس میں ہے، نفس الامر اور خارج میں عدم محض ہے"[1]

اسی مکتوب میں وحدۃ الوجود سے اپنی ترقی کی حکایت سناتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"راقم سطور اولاً توحید وجودی کا عقیدہ رکھتا تھا، زمانۂ طفولیت سے اس کو اس توحید کا علم حاصل تھا، اور اس کے دل میں اس کا یقین راسخ تھا، اگرچہ اس معاملہ میں اس وقت صاحب حال نہ تھا، اس نے راہ سلوک پر قدم رکھا تو اول (توحید وجودی) کا طریق منکشف ہوا اور اس نے مدت تک اس مقام کے منازل و مراتب میں جولانی کی، اور بہت سے علوم جو اس مقام کے مناسب تھے، اس پر فائز ہوئے، اور وہ مشکلات و واردات جو ارباب توحید پر وارد ہوتے ہیں، وہ ان مکاشفات اور علوم فیضانی سے حل ہوئے، ایک مدت کے بعد دوسری نسبت کا اس فقیر پر غلبہ ہوا، اور اس غلبہ کی حالت میں اس کو توحید وجودی کے بارے میں توقف لاحق ہوا، لیکن یہ توقف حسن ظن کے ساتھ تھا، انکار کے ساتھ نہیں، مدت تک وہ متوقف رہا، آخر الامر معاملہ انکار تک پہونچ گیا، اور اس کو دکھایا گیا کہ یہ مرتبہ (وحدت وجود کی منزل) فروتر ہے، اور وہ مقام ظلّیت تک پہونچا جو اس سے بالاتر ہے، اس انکار کے معاملہ میں وہ بے اختیار تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس مقام سے باہر نکلے اس لئے کہ بڑے بڑے مشائخ اسی مقام پر طرح اقامت ڈال چکے تھے، لیکن جب وہ مقام ظلّیت تک

---

[1] مکتوب نمبر ۱۶۰ بنام یار محمد الجدید البدخشی الطالقانی۔

پہونچا، اور اس نے اپنے کو اور عالم کو ظل پایا تو اس کو یہ آرزو ہوئی کہ اس کو اس مقام سے جدا نہ کیا جائے، اس لئے کہ وہ کمال وحدۃ الوجود ہی میں سمجھتا تھا، اور یہ مقام فی الجملہ اس سے مناسبت رکھتا ہے لیکن تقدیری بات کہ کمال عنایت اور غریب نوازی سے اس کو اس مقام سے بھی اوپر لے جایا گیا، اور مقام عبدیت تک پہونچایا گیا، اس وقت اس مقام کا کمال نظر میں آیا، اور اس کی بلندی واضح ہوئی اور وہ مقامات گذشتہ سے توبہ واستغفار کرنے لگا، اگر اس عاجز کو اس راستہ تک نہ لے جاتے اور ایک مقام کی دوسرے مقام پر فوقیت نہ ظاہر کرتے، تو وہ اس مقام میں اپنا تنزل سمجھتا، اس لئے کہ اس کے نزدیک توحید وجودی سے بالاتر کوئی مقام نہ تھا، "وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ"۔[1]

شیخ اکبر کے بارہ میں منصفانہ ومعتدل مسلک

اس اختلاف کے باوجود شیخ اکبر کے بارے میں اپنا مسلک بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ فقیر شیخ محی الدین کو مقبولین میں سمجھتا ہے، لیکن ان کے وہ علوم (جو جمہور کے عقائد اور کتاب وسنت کے ظواہر کے خلاف ہیں) ان کو خطا اور مضر سمجھتا ہے ..... لوگوں نے ان کے بارے میں افراط وتفریط کی راہ اختیار کی ہے، اور وہ میانہ روی سے دور جا پڑے ہیں، ایک جماعت شیخ پر زبان طعن وملامت دراز کرتی ہے، اور ان کے معارف وحقائق کی بھی تغلیط کرتی ہے، دوسری جماعت نے شیخ کی مکمل تقلید اختیار کی ہے، اور ان کے تمام معارف وحقائق کو برسرحق سمجھتی ہے، اور دلائل وشواہد سے ان کی حقیقت ثابت کرتی ہے، اس میں شک نہیں کہ دونوں فریقوں نے افراط وتفریط کی راہ اختیار کی ہے، اور وہ میانہ روی سے دور جا پڑے ہیں ..... عجیب معاملہ ہے کہ

---

[1] مکتوب نمبر ۱۶۰ بنام شیخ یار محمد الجدید البدخشی الطالقانی۔

شیخ محی الدین مقبولین حق میں نظر آتے ہیں، اور ان کے اکثر معارف و تحقیقات جو اہل حق کے خلاف ہیں خطا و ناصواب نظر آتے ہیں[1]"

ایک جگہ اپنا اور توحید وجودی کے منکرین و مخالفین کا فرق بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اس فقیر کا توحید وجودی کے قائلین سے اختلاف کشف و شہود کی راہ سے ہے، علماء ان امور (وحدۃ الوجود اور غیر اللہ کے وجود کی مطلق نفی) کی قباحت کے قائل ہیں، اس فقیر کو توحید وجودی کے ان اقوال و احوال کے حسن میں کوئی اشکال نہیں بشرطیکہ ان سے عبور واقع ہو جائے[2]"

توحید وجودی کی مخالفت کی ضرورت

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب توحید وجودی سلوک کی ایک منزل اور سالک کے لئے ایک عبوری مرحلہ ہے، جس پر سالکین و مستہلکین کا ایک جم غفیر ہر زمانہ میں پہونچا ہے، ان میں سے ایک بڑی جماعت اس مرحلہ پر پہونچ کر رک گئی، اور کسی کو توفیق الٰہی نے اس سے آگے بڑھا کر توحید شہودی تک پہونچا دیا، تو اس میں کیا قباحت ہے، اور حضرت مجدد اس شدّ و مد سے اس کی مخالفت کیوں فرماتے ہیں، اور اس کے مقابلہ میں اس زور و شور سے توحید شہودی کے اثبات اور اس کی ترجیح پر کیوں خامہ فرسائی فرماتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ توحید وجودی کے قائلین اور اس کے مبلغوں اور داعیوں میں (حضرت مجدد صاحب کے زمانہ میں بھی) ایک بڑی تعداد ایسی پیدا ہو گئی تھی، جس نے اپنے کو قیود شرعی اور فرائض و واجبات اسلامی سے آزاد سمجھ لیا تھا، اور یہ سمجھ کر کہ جب سب

---

[1] مکتوب ۲۶۶/۱ بنام حضرت خواجہ عبد اللہ و خواجہ عبید اللہ [2] مکتوب ۴۲/۲ بنام خواجہ جمال الدین حسین۔

حق کی طرف سے ہے، بلکہ سب حق ہے، تو پھر حق و باطل کی تفریق اور کفر و ایمان کے امتیاز کا کیا سوال[1]؟ انھوں نے شریعت اور اس پر عمل درآمد کو عوام کے درجہ کی ایک چیز سمجھ لیا تھا، ان کے نزدیک مقصود اصلی (توحید وجودی) اس سے بلند تر مقام اور اس سے آگے کی منزل تھی جو کاملین راہ اور واصلین بارگاہ کو حاصل ہوتی ہے، دسویں صدی ہجری میں جو حضرت مجدد کے ذہنی و روحانی ارتقاء کا زمانہ ہے اس توحید وجودی کا رنگ ہندوستان پر ایسا چھایا ہوا تھا کہ عارفانہ ذوق رکھنے والے شعراء سب اسی کے گیت گاتے تھے، اور کفر و ایمان کو مساوی قرار دیتے تھے، بلکہ بعض اوقات کفر کو ایمان پر ترجیح دینے کی سرحد میں داخل ہو جاتے تھے، اس زمانہ میں ایسے بہت سے اشعار زبان زد خلائق تھے، جن میں صاف صاف یہ مضمون بیان کیا گیا ہے، مثلاً ؎

کفر و ایمان قرین یک دگرند
ہر کہ را کفر نیست ایمان نیست

پھر اس کی تشریح کرتے ہوئے ایک کتاب میں لکھا گیا ہے۔

"پس ازیں معنی اسلام در کفر ست و کفر در اسلام، یعنی "تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ" مراد از لیل کفر ست و مراد از نہار اسلام[2]۔

دوسری جگہ یہ شعر نقل کرتے ہیں ؎

عشق را با کافری خویشی بود
کافری در عین درویشی بود

---

[1] تیرہویں صدی ہجری کے اردو کے مشہور و مقبول شاعر مرزا غالب نے انہی لوگوں کی ترجمانی اپنے شعر میں کی ہے ؎

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایمان ہو گئیں

[2] رسالہ عشقیہ ص ۱۷

آگے چل کر لکھتے ہیں :۔

"العلم حجاب اکبر گشت، مراد ازیں علم عبودیت کہ حجاب اکبرست، ایں حجاب اکبر اگر ازمیاں مرتفع شود کفر بہ اسلام و اسلام بہ کفر آمیزد و عبارت خدائی و بندگی برخیزد"[1]

مجدد صاحب کے لئے جن کو اللہ تعالیٰ نے حمیّت دینی اور غیرت فاروقی کا حصۂ وافر عطا فرمایا تھا، اور جن کی ذات سے حدیث مشہور کی پیش گوئی کا ظہور ہونا مقدر ہو چکا تھا، جس میں فرمایا گیا ہے کہ :۔

یحمل ھذا العلم من کل خلف	اس علم کے ہر نسل میں ایسے عادل و متقی حامل
عدولہ ینفون عنہ تحریف	وارث ہوں گے جو اس دین سے غلو پسند
الغالین وانتحال المبطلین	لوگوں کی تحریف، اہل باطل کے غلط انتساب
وتاویل الجاھلین۔[2]	اور دعوے اور جاہلوں کی دور از کار تاویلات
	کو دور کرتے رہیں گے۔

یہی چیز اس عقیدہ اور دعوت کی علمی و دینی احتساب کا باعث ہوئی جس کی تبلیغ و اشاعت میں اس عصر میں اور خاص طور پر ہندوستان میں پورے جوش و خروش اور عمومیت اور اطلاقیت سے کام لیا جا رہا تھا اور مجدد صاحب مشاہدہ فرما رہے تھے کہ اس کے اثر سے شریعت کی گرفت طبیعتوں پر سے ڈھیلی اور اس کا تقدس و احترام نگاہوں میں کم ہوتا جا رہا تھا، مجدد صاحب خود اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

اکثر ابنائے ایں وقت بعضے بہ تقلید و	اکثر ابنائے زمانہ بعض تقلید کی
بعضے بمجرد علم و بعضے دیگر بعلم ممتزج	بنا پر بعض محض اپنے علم کے زور پر

---

[1] رسالہ عشقیہ ص ۷۳ [2] مشکوٰۃ فصل ثانی۔ (کتاب العلم)

بذوق دلوفی الجملہ وبعضے بالحاد و
زندقہ دست بدامن ایں توحید وجودی
زدہ اند وہمہ را از حق میدانند بلکہ
حق میدانند وگردنہائے خود را
از ربقۂ تکلیف شرعی با لحیلہ میکشانید
ومداہنات در احکام شرعیہ مینمایند،
وباین معاملہ خوشوقت وخورسند اند
واتیان اوامر شرعیہ را اگر اعتراف
دارند طفیلے میدانند مقصود اصلی
ورائے شریعت خیال می کنند حاشا و
کلا ثم حاشا وکلا، نعوذ باللہ سبحانہ
من ھذا الاعتقاد السوء۔[1]

اور بعض ایسے علم کی بنا پر جس میں ذوق
کی شمولیت ہے (خواہ کسی محدود مقدار
میں) اور بعض نے الحاد وزندقہ کی
بنا پر اس توحید وجودی کا دامن تھام
لیا ہے، اور وہ ہر چیز کو حق کی طرف سے
جانتے ہیں بلکہ حق ہی جانتے ہیں اور
وہ اپنی گردنوں کو کسی نہ کسی ترکیب سے
تکلیف شرعی کے طوق سے آزاد کر لیتے
ہیں، اور احکام شرعیہ کے بارے میں
تساہل ومداہنت سے کام لیتے ہیں
اور اس معاملہ میں بڑے مسرور اور
مطمئن نظر آتے ہیں، یہ لوگ اوامر شرعیہ
پر عمل کرنے کی ضرورت کا اگر اعتراف
بھی کرتے ہیں تو اس کو ضمنی اور تبعی بات
سمجھتے ہیں، وہ مقصود اصلی شریعت
کے ماوراء خیال کرتے ہیں، حاشا وکلا
ثم حاشا وکلا ہم اللہ تعالیٰ سے ایسے
اعتقاد فاسد سے پناہ مانگتے ہیں۔

---

[1] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۴۳ بنام شیخ فرید بخاری۔

اسی مکتوب میں ایک دوسرے موقع پر تحریر فرمایا ہے :-

دریں زمان بسیارے ازیں طائفہ کہ نبری صوفیاں خود را وامی نمایند توحید وجودی را شائع ساختہ اند و کمال را جز آں نمی دانند و علم از عین بازماندہ اند و آں اقوال مشائخ را بمعانی متخیلہ خود فرود آوردہ مقتدائے روزگار خود ساختہ اند و بازار کاسد خود را باین تخیلات رائج داشتہ اند[1]۔

اس زمانہ میں اس گروہ کے بہت سے ایسے لوگ جو صوفیوں کے لباس میں اپنے کو ظاہر کرتے ہیں توحید وجودی کا برسرِ عام اعلان کرنے لگے ہیں، اور اس کے سوا وہ کسی چیز کو کمال نہیں جانتے، علم کے ذریعہ حقیقت سے دور رہ گئے ہیں، مشائخ کے اقوال کو اپنے ذہن کے پیدا کئے ہوئے مضامین پر اتار لائے ہیں، اور ان کو اپنا مقتدیٰ بنا رکھا ہے، اور ان تخیلات سے اپنے بازار کاسد کو گرم کر رکھا ہے۔

مجدد صاحب کی انفرادیت وامتیاز

مجدد صاحب کا تجدیدی کارنامہ محض یہ نہیں ہے کہ انھوں نے وحدۃ الوجود کے مقبول عام نظریہ اور سکّہ رائج الوقت کے متعلق ثابت کر دیا کہ وہ "نقد کامل عیار" اور سلوک ومعرفت کی منزل آخری نہیں ہے، بلکہ اس باب میں ان کی انفرادیت وامتیاز کا راز یہ ہے کہ انھوں نے اس پر اپنے ذاتی تجربہ اور مشاہدہ کی روشنی میں تنقید کی اور

---

[1] ایضاً۔

یہ ثابت کردیا کہ وہ اس دریا میں غوطہ لگا کر اور اس کی تہہ تک پہونچ کر ابھرے ہیں، اور تائید الٰہی سے انھوں نے اپنے زورق معرفت و تحقیق کو ساحل مراد تک پہونچایا ہے، اور اس باب میں مشکل سے ان کا کوئی ہمسر اور ہمسفر ملے گا، مغربی مصنف پیٹر ہارڈی (PETER HARDY) نے جو ان مسائل میں سند کا درجہ نہیں رکھتا بہر حال یہ صحیح لکھا ہے کہ :-

"شیخ احمد سرہندی کی بڑی کامیابی یہی ہے کہ انھوں نے ہندی اسلام کو متصوفانہ انتہا پسندی سے خود تصوف کے ذریعہ نجات دلائی، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ جس نظریہ کی انھوں نے تردید کی اس کے مطلب و مفہوم اور قدر و قیمت کا ان کو ذاتی طور پر عمیق ادراک تھا"[1]

مجدد صاحب کے بعد توحید وجودی کے بارے میں مشائخ و علماء کا "مصالحانہ" رویہ

قبل اس کے کہ اس باب کو ختم کیا جائے ایک غیر جانبدار مورخ کی حیثیت سے اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد کے بعد (ان کے اس خاص سلسلہ کو چھوڑ کر جو حضرت خواجہ محمد معصوم کے ذریعہ ہندوستان اور ہندوستان کے باہر پھیلا) وحدۃ الوجود کے بارے میں وہ واضح قطعی اور فیصلہ کن رجحان اور وحدۃ الشہود پر وہ یقین و اذعان باقی نہیں رہا، جس کا مجدد صاحب نے علم بلند کیا تھا، اور جس پر وہ علی وجہ البصیرۃ قائم اور اس کے داعی تھے، ان کی رحلت کے بعد ہی سے تصوف و معرفت کے حلقوں میں اور بعض ان حلقوں میں بھی جو اپنا

---

[1] SOURCES OF INDIAN TRADITION, N.Y. P-449

ان کی طرف انتساب کرتے تھے، وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے درمیان مفاہمت ومطابقت کا رجحان نمایاں ہوگیا، اور بعض بلند پایہ علماء اور محققین نے یہاں تک لکھ دیا کہ "یہ اختلاف محض نزاع لفظی تھا" بعض حضرات نے یہاں تک لکھا کہ مجدد صاحب سے اس بارہ میں تسامح ہوا اور شیخ اکبر کی تمام تصنیفات ان کی نظر سے نہیں گذریں"

اسی بنا پر سلسلۂ مجددیہ کے نامور شیخ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء پر ان کے مرید رشید مولانا غلام یحییٰ بہاری (م ۱۱۸۰ھ) نے کلمۃ الحق کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں مجدد صاحب کی تحقیق اور مسلک کو واشگاف طریقہ پر بیان کیا، اور اس تطبیقی رجحان کی تردید کی جو خود سلسلۂ مجددیہ کے بعض حلقوں میں نظر آنے لگا تھا۔

حضرت سید احمد شہید مجدد صاحب کے نقش قدم پر

اس سلسلۂ عالیہ میں مجدد صاحب کے بعد اگر کسی شیخ طریقت اور عارف ومحقق کے یہاں وحدۃ الشہود کا واضح اور بے آمیز نظریہ اور تلقین پائی جاتی ہے، اور وہ اس بارے میں حضرت مجدد کے نقش قدم پر نظر آتے ہیں، تو وہ سلسلہ مجددیہ احسنیہ[1] کے مشہور شیخ طریقت داعی الی اللہ اور مجاہد فی سبیل اللہ حضرت سید احمد شہیدؒ رائے بریلوی (ش ۱۲۴۶ھ) ہیں[2]، جن کے یہاں وحدۃ الوجود کی کوئی پرچھائیں اور

---

[1] حضرت سید آدم بنوری خلیفہ حضرت مجدد کا مخصوص سلسلہ جو سلسلۂ آدمیہ اور سلسلۂ احسنیہ کہلایا جاتا ہے۔

[2] یہ ان کے خاندانی ذوق کا نتیجہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے جدّ رابع حضرت شاہ سید علم اللہ، (باقی صفحہ ۲۹۰ پر)

تاویل واعتذار کا کوئی عکس نظر نہیں آتا۔[1]

(باقی صفحہ ۲۸۹ کا) حضرت سید آدم بنوری کے خلیفۂ ارشد ہیں اور خود ان کے مقام تحقیق واجتہاد کا بھی نتیجہ ہوسکتا ہے جس پر وہ فائز تھے۔

[1] ملاحظہ ہو "صراط مستقیم" ہدایت رابعہ در بیان ثمرات حب عشقی افادہ ۱۲ صـ

مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور۔

باب ہفتم

اکبر سے جہانگیر تک

سلطنت کو راہ راست پر لانے کے لئے آپ کی خاموش جدوجہد

عہد اکبری و جہانگیری کے جرأتمند اور حق گو علماء و مشائخ

قبل اس کے کہ ہم حضرت مجدد کی ان مساعی جمیلہ کا تذکرہ کریں جنھوں نے سلطنت کا رخ موڑ دیا، اس حقیقت کا اظہار ضروری اور قرین قیاس سمجھتے ہیں کہ دور اکبری کے متعلق یہ تخیل صحیح نہیں ہے کہ ہندوستان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک سناٹا تھا، اور اکبر کو اس کے طرز عمل پر ٹوکنے والا اور حدیث :-

من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ	تم میں سے جو کوئی خلاف شرع کام یا امر منکر
فان لم یستطع فبلسانہ، فان	دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دینا چاہئے، اگر
لم یستطع فبقلبہ وذلک	ایسا نہ کر سکے تو زبان سے (اس کا انکار و تردید
اضعف الایمان[1]۔	کرنی چاہئے) اگر ایسا بھی نہ ہو سکے تو دل سے اس کو برا
	سمجھنا چاہئے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

---

[1] صحیحین

کے دوسرے اور تیسرے درجہ پر بھی کسی نے عمل نہیں کیا۔

عہد اکبری کے حسب ذیل حضرات کے متعلق تاریخ اور تذکروں میں شہادت ملتی ہے کہ انھوں نے اپنے اپنے دائرہ میں رہ کر اور اپنے امکان بھر اس صورت حال پر اپنی ناگواری اور اپنے اسلامی جذبات کا اظہار کیا۔

شیخ ابراہیم محدث اکبرآبادی (م ۱۰۰۱ھ) ایک مرتبہ اکبر کے عبادت خانہ میں اس کی دعوت پر آئے اور بادشاہ کے لئے غیر شرعی آداب و تعظیم بجا نہیں لائے انھوں نے اپنی تقریر میں ترغیب و ترہیب سے کام لیا اور جلال شاہی سے ذرا مرعوب نہیں ہوئے، شیخ حسین اجمیری جنھوں نے ۱۰۰۹ھ کے بعد وفات پائی، اکبر کے اجمیر آنے پر ناراض ہو کر وہاں سے چلے گئے، اکبر نے ان کو خانقاہ اور درگاہ کی تولیت سے معزول کیا اور حجاز چلے جانے کا حکم دیا، ہندوستان واپسی پر بھی انھوں نے سجدۂ تعظیمی نہیں کیا، بادشاہ ناراض ہو گیا اور ان کو بکھر کے قلعہ میں قید کر دیا، جہاں وہ کئی سال تک رہے، رہائی پر بھی وہ آداب شاہی سے محترز رہے، اور انھوں نے عطیہ سلطانی قبول کرنے سے انکار کیا، شیخ سلطان تھانیسری جو مقربین دربار میں سے تھے، اور جنھوں نے بادشاہ کے حکم سے مہابھارت کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا، ذبح گاؤ کے الزام میں بادشاہ کے معتوب بنے اور ان کو بکھر جلاوطن کر دیا گیا، پھر عبدالرحیم خان خاناں کی سفارش پر ان کو تھانیسر قیام کی اجازت دی گئی اور کروڑگیری (تحصیل وصول) پر مامور کیا گیا، کچھ عرصہ بعد بادشاہ کو پھر ان کی شکایات پہونچیں جو ان کے اسلامی طرز عمل پر مبنی تھیں، اور اس نے سزائے موت کا حکم دیا یہ واقعہ ۱۰۰۷ھ[1] کا ہے۔

---

[1] منتخب التواریخ، آپ حضرت مجدد کے خسر تھے۔

اس سلسلہ میں سب سے جرأتمندانہ اور مردانہ اقدام شہباز خاں کنبوہ (م ۱۰۰۸ھ) کا ہے، جو اکبر کے امرائے کبار میں تھے، اور آخر میں میر بخشی کے عہدہ سے سرفراز ہوئے، وہ بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنے سے کبھی باز نہیں رہے، نہ انھوں نے داڑھی کترائی، نہ شراب کے قریب گئے نہ اکبر کے ایجاد کردہ دین الٰہی کی طرف میلان ظاہر کیا، شاہ نواز خاں مصنف "مآثر الامراء" کی روایت ہے کہ بادشاہ ایک دن عصر و مغرب کے درمیان فتح پور سیکری میں ایک تالاب کے کنارے سیر کر رہا تھا، شہباز خاں حاضر تھے، بادشاہ نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور چہل قدمی اور ان سے گفتگو میں مصروف ہو گیا، لوگوں کا خیال تھا کہ شہباز خاں بادشاہ سے اپنا ہاتھ نہیں چھوڑا سکتے، اور آج ان کی مغرب کی نماز ضرور قضا ہو گی، ان کا یہ بھی معمول تھا کہ عصر کے بعد مغرب تک کسی سے بات نہیں کرتے تھے، شہباز خاں نے جب دیکھا کہ آفتاب غروب ہو رہا ہے تو انھوں نے بادشاہ سے نماز کی اجازت مانگی، بادشاہ نے ازراہ بے تکلفی کہا، مجھے تنہا نہ چھوڑو نماز قضا کر لینا، شہباز خاں نے اپنا ہاتھ چھوڑا لیا اور اپنی چادر زمین پر بچھا کر نماز کی نیت باندھ لی، نماز سے فارغ ہو کر اپنے روزمرہ کے اوراد میں مشغول ہو گئے بادشاہ ان کے سامنے کھڑا رہا اور سخت الفاظ کہتا رہا، امیر ابوالفتح اور حکیم علی گیلانی اس موقع پر موجود تھے، انھوں نے موقع کی نزاکت محسوس کی، وہ آگے بڑھے اور بادشاہ کو متوجہ کرنے کے لئے کہا کہ "آخر ہم بھی تو توجہات شاہانہ کے مستحق ہیں"؟ بادشاہ کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہوا اور وہ شہباز خاں کو چھوڑ کر ان کے ساتھ ہو گیا۔

شیخ عبدالقادر اُچی بھی انہی جری لوگوں میں تھے جنھوں نے خلاف شرع امور میں بادشاہ کی موافقت نہیں کی، ایک دن بادشاہ نے افیون ان کو پیش کی انھوں نے کھانے سے انکار کر دیا، اس سے بادشاہ کو ناگواری ہوئی، ایک دن وہ عبادت خانہ میں نماز فرض کے بعد

نوافل میں مشغول تھے کہ بادشاہ محل سے برآمد ہوا اس نے کہا کہ آپ کو نفلیں اپنے گھر میں پڑھنی چاہئیں، مولانا عبدالقادر نے جواب دیا کہ حضور والا! (یہاں عبادت خانہ میں) آپ کی سلطنت نہیں ہے، بادشاہ کو بہت غصہ آیا اور کہا کہ آپ کو میری سلطنت گوارہ نہیں تو یہاں سے چلے جائیے، وہ اسی وقت شہر اُچ کی طرف روانہ ہو گئے اور عبادت اور افادۂ خلائق میں مشغول ہو گئے، انہی کے ہم نام شیخ عبدالقادر لاہوری (م ۱۰۲۲ھ) کو بھی اکبر کے حکم سے جو ان سے ان کی دینی صلابت کی بنا پر ناراض تھا، حجاز کا سفر کرنا پڑا، مرزا عزیز الدین دہلوی کوکہ (م ۱۰۳۳ھ) جو اکبر کے ہم عمر اور دودھ شریک بھائی تھے، اور جن سے اکبر کو بڑی محبت تھی، ...شرع اور دینی مسائل میں اکبر کا بالکل لحاظ نہیں کرتے تھے، اور صاف گوئی سے کام لیتے تھے، اسی بنا پر اکبر نے ان کو گجرات کی صوبیداری سے معزول کیا پھر بنگالہ اور بہار کی صوبیداری دی، اور خان اعظم کا خطاب دیا، لیکن اس تقرب کے باوجود انھوں نے سجدۂ تعظیمی، ریش تراشی وغیرہ میں بادشاہ کی موافقت نہیں کی، انہی لوگوں میں شیخ منور عبدالحمید لاہوری (م ۱۰۱۵ھ) بھی تھے، جن کو اکبر نے ۹۸۵ھ میں صدارت کے عہدہ پر مقرر کیا، لیکن وہ بھی اپنی دینی استقامت کی وجہ سے بادشاہ کے معتوب اور موردِ غضب بنے، بادشاہ نے ان کے مال و املاک یہاں تک کہ کتابوں تک کے لوٹ لینے کا حکم دیا، پھر آگرہ طلب کر کے ان کو سخت قید میں رکھا، اور وہیں ان کا انتقال ہوا[1]۔

جہانگیر کی جانشینی عمل میں آئی تو عرصہ تک عہد اکبری کے رسوم و آئین جاری رہے، اسلام کی علانیہ مخالفت چھوڑ کر باقی وہی طور طریقے سلطنت میں رائج تھے، اور اس وقت تک رائج رہے، جب تک کہ جہانگیر کا خود میلان شرع محمدی کی تعظیم اور شعائر اسلام کے احترام کی طرف

---

[1] یہ سب نام اور اکبر کی مخالفت کے واقعات "نزہۃ الخواطر" ج ۵ سے اخذ کئے گئے ہیں۔

نہیں ہوا، اس دور میں بھی متعدد علماء و مشائخ نے خطرہ مول لے کر ان خلاف شرع بلکہ منافی دین و شریعت، آداب و رسوم کے ادا کرنے سے انکار کیا، شریعت کے حدود سے تجاوز کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے، اور کلمۂ حق کہنے سے دریغ نہیں کیا، انہی میں ہندوستان کے شمال مغربی حدود کے ایک صاحب طریقت بزرگ احمد بن محمد بن الیاس حسینی غزغشتی تھے، جن کو جہانگیر نے دربار میں طلب کیا، انھوں نے آداب رسوم کے مطابق سلام و آداب بجالانے سے انکار کر دیا، جہانگیر نے ان کو قلعۂ گوالیار میں قید کر دیا، جہاں وہ تین سال تک رہے، پھر ۱۰۲۰ھ میں ان کو آزادی کا پروانہ ملا، اور جہانگیر ان کو اپنے ساتھ آگرہ لایا۔[1]

لیکن واقعہ یہ ہے کہ سلطنت کی بے راہ روی کی منظم مخالفت اور اس کو راہ راست پر لانے کی مکمل اور حکیمانہ کوشش کا سہرا حضرت مجدد کے سر ہے، اور حفاظت دین اور نصرت اسلام و مسلمین کا کارنامہ انہی کے لئے مقدر تھا، اور انہی نے اس کو تکمیل تک پہونچا کر ہندوستان میں وہ خاموش انقلاب برپا کیا، جس کی نظیر دوسرے اسلامی ملکوں اور سلطنتوں کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے، اور جس کے نتیجہ میں اکبر کے بعد سلطنت مغلیہ کے تخت پر جو فرمانروا آیا وہ اپنے پیشرو سے بہتر، اسلام کی مخالفت کے جراثیم سے محفوظ اور دین کے احترام اور حمیتِ اسلام میں فائق و ممتاز تھا، یہاں تک کہ اس سلسلۂ زرّیں کی تکمیل محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کی ذات پر ہوئی۔

جہانگیر کی تخت نشینی اور مجدد صاحب کے اصلاح سلطنت کے کام کا آغاز

جلال الدین اکبر بادشاہ کا انتقال (۱۴ ۱۰۱۴ھ کو) ہوا، اس وقت حضرت مجدد کی عمر

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۵۔

تینتالیس[۴۳] سال کی تھی، اکبر کی سلطنت کا آخری دور جس میں ہندوستان میں اسلام کی باعزت زندگی، آزادی اور اس ملک میں غالب و با اقتدار رہنے کے لئے کھلا خطرہ پیدا ہو گیا تھا، مجدد صاحب کے روحانی تکمیل و ارتقاء کا زمانہ تھا، ارکان سلطنت سے ان کے کوئی مراسم و تعلقات نہیں تھے، اور نہ ابھی وہ وقت آیا تھا کہ وہ ان کے علو مرتبہ، اخلاص و للّٰہیت اور باطنی کمالات سے واقف ہوں، اس لئے حقیقت میں وہ سراہا تھ میں نہیں آیا تھا، جس سے وہ دربار شاہی تک اپنے احساسات و تاثرات پہونچا سکتے، یا دین و آئین کے بارے میں حکومت کی عام پالیسی پر اثر انداز ہو سکتے، اس وقت فرمانروائے سلطنت کے مزاج و مذاق سرکار دربار اور نظم و نسق پر وہ لوگ حاوی تھے، جو کسی مخلص و دیندار کو بادشاہ کے قریب آنے نہیں دیتے تھے، اور انھوں نے اس کے گرد ایک ایسا آہنی حصار قائم کر رکھا تھا جس سے باہر کی تازہ اور بے آمیز ہوا کا کوئی جھونکا اور اہل ملک کی پسند و ناپسند کا کوئی اندازہ اندر نہیں آسکتا تھا، اس وقت اسلام اور مسلمانوں کا اس وسیع ملک میں جہاں ان کی آزاد سلطنتیں تسلسل کے ساتھ قائم رہ چکی تھیں، وہی حال تھا، جس کا قرآن مجید نے ان الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے۔

ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ	زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی، اور
وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا	وہ خود اپنی جان سے تنگ آگئے، اور انھوں نے
اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ط	سمجھ لیا کہ خدا (کی گرفت) سے کہیں پناہ نہیں
(التوبہ - ۱۱۸)	مل سکتی بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے

لیکن جہانگیر کی تخت نشینی (۱۰۱۴ھ) پر یہ صورت باقی نہیں رہی، جہانگیر کے اندر اگر (اس مخصوص تعلیم و تربیت کی بنا پر جو اس نے باپ کے زیر سایہ پائی تھی) کوئی نمایاں دینی صلاح،

تشرع، فرائض اسلام کی پابندی اور کھلا ہوا دینی رجحان نہیں پایا جاتا تھا تو اس کے اندر اسلام سے کوئی بُعد و وحشت، کسی دوسرے مذہبی فلسفہ یا قومی تہذیب سے مرعوبیت اور شیفتگی اور کسی نئے دین و آئین کے اجراء کا شوق بھی نہیں پایا جاتا تھا، دوسرے لفظوں میں اگر وہ حامیِ اسلام نہیں تھا تو ماحیِ اسلام بھی نہیں تھا، عام طور پر جو صاحب تخت و تاج فرمانروا عیش و عشرت کے دلدادہ ہوتے ہیں، وہ کسی مقبول عام نظام کے ازالہ اور تنسیخ اور کسی نئے نظام کے اجراء کا درد سر مول نہیں لیتے، وہ صرف کام و دہن کی لذت اور حکومت و اقتدار کی عزت سے سروکار رکھتے ہیں، عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ ایسے لوگوں کے اندر ان ہستیوں کے ساتھ ایک مخفی عقیدت اور احترام پایا جاتا ہے، جو اس مادی سطح سے بلند اور ان دنیاوی مظاہر و مناصب سے مستغنی ہوتے ہیں، اور ان لوگوں کے مقابلہ میں جو کسی منصب کے مدعی یا کسی نئی تحریک و فلسفہ کے داعی ہوتے ہیں، ان میں قبول حق کی زیادہ استعداد و صلاحیت پائی جاتی ہے۔

جہانگیر فرمانروایانِ سلطنت کی اسی قسم سے تعلق رکھتا تھا، اور وہ جب تخت سلطنت پر متمکن ہوا تو اہل نظر نے سمجھ لیا کہ اب سلطنت کا رخ بدلنے اور تدریجی طور پر اس کو راہ راست پر لانے کا وقت آگیا ہے۔

صحیح طریق کار

اس وقت حضرت مجدد اور ان سب حضرات کے لئے جو علم دین اور کمال باطن سے آراستہ، خود مشغول اور سیر فی اللہ کی دولت سے مالا مال اور دینی حمیت و غیرت کے نشہ سے سرشار تھے، اس صورت حال کے سامنے جو اس وقت قلمرو سلطنت پر سایہ فگن تھی، تین راستے تھے:-

۱۔ سلطنت اور ملک کو اپنے حال پر چھوڑ کر اپنے لئے کسی ایسے گوشہ کا انتخاب، جہاں اطمینان کے ساتھ یادِ خدا میں مشغولی، طالبین کی تربیت اور ذکر و عبادت کی یکسوئی اور سرگرمی میسر آسکتی تھی، یہ وہ طرزِ عمل تھا، جو حضرت مجدد کے عہد میں بیسیوں بلکہ صدہا علماء ومشائخ نے اختیار کیا، ملک کے چپہ چپہ پر ان کی خانقاہیں تھیں، اور وہ پوری یکسوئی اور خاموشی کے ساتھ کام کر رہے تھے، اور خلق خدا کو ان سے بیش بہا روحانی و ایمانی فوائد پہونچ رہے تھے۔

۲۔ ہندوستان کی برائے نام مسلم سلطنت اور اس کے فرمانروا کو (جس کو صرف مسلمان خاندان میں پیدا ہونے کا شرف حاصل تھا) اسلام کا مخالف اور معاند سمجھ کر (جس کے ثبوت کے لئے بہت سے آئین وضوابط اور ذاتی اعمال و اخلاق مل سکتے تھے) اس کی اصلاح سے یکسر مایوس ہو جانا، اس کے خلاف ایک دینی محاذ قائم کر لینا، اور اسلام کا اس کو مستقل حریف اور مقابل سمجھ کر اس کی مستقل مخالفت اور اس کے خلاف صف آرائی۔

اور اگر اس سے کام نہ چلے تو دینی حمیت، جہاد و سرفروشی کا جذبہ رکھنے والے اور موجودہ صورت حال سے بیزار، معتقدین و مریدین و رفقاء کو مجتمع کرنا اور کسی فوجی و سیاسی کارروائی کے ذریعہ سلطنت میں انقلاب لانا اور تخت سلطنت پر کسی زیادہ صالح اور دیندار شخص کو (خواہ وہ خاندان مغلیہ ہی سے تعلق رکھتا ہو اور بابر کی اولاد میں ہو) بٹھانے کی کوشش کرنا جو پوری سلطنت کا رخ موڑ دے اور حالات میں یکسر تبدیلی ہو جائے۔

۳۔ ارکان سلطنت و امرائے دربار سے تعلقات پیدا کر کے اور جن سے پہلے سے تعلق ہے، اور وہ آپ کی ذات سے عقیدت اور آپ کے خلوص اور دلسوزی پر پورا اعتماد رکھتے ہیں، ان میں دینی جذبہ اور حمیت ابھار کر اور ان کے دلوں کے خاکستر میں جو ایمانی چنگاریاں

دبی ہوئی ہیں ان کو فروزاں کرکے بادشاہ کو نیک مشورہ دینے پر آمادہ کرنا اس کی رگ اسلامیت کو جو اپنے باایمان اسلاف و اجداد سے اس کو ورثہ میں ملی ہے جنبش میں لانا، اس کو اسلام کی حمایت، مسلمانوں کے مجروح دلوں کی چارہ سازی اور گزشتہ دور کی تلافی پر آمادہ کرنا، خود ہر طرح کے جاہ و منصب سے بلکہ اس کے سایہ سے بھی دور رہنا، مکمل زہد و استغناء کا ثبوت دینا، سلطنت کو اہل سلطنت اور مناصب و مراتب کو اہل مناصب و مراتب کے حوالہ کرنا، ایسی عالی نظری اور بے لوثی کا اظہار کہ کوئی شدید سے شدید مخالف اور حاسد بھی جاہ طلبی یا حصول اقتدار کی تہمت نہ لگا سکے اور کوئی مخالفانہ سازش بھی اس سلسلہ میں کامیاب نہ ہو سکے۔

جہاں تک پہلے نمبر کا تعلق ہے، وہ حضرت مجدد کی افتاد طبع، ان کی شان عزیمت اور اس رفیع منصب سے جس سے اللہ نے ان کو سرفراز کیا تھا، کوئی مناسبت نہیں رکھتا، حضرت مجدد کو اپنی باطنی تکمیل و تربیت کے بعد ہی اس بات کا اذعان پیدا ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے کوئی دوسرا ہی کام لینا منظور ہے، اور وہ محض لازمی و انفرادی عبادات و ترقیات اور پیری و مریدی کے لئے پیدا نہیں کئے گئے، انھوں نے اپنے سلسلہ ہی کے ایک رفیع المرتبت شیخ اور امامِ سلسلہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار (م ۸۹۵ھ) کا یہ مقولہ نقل کرکے "حدیث دیگراں" میں "سرّ دلبراں" کہہ دیا ہے کہ حضرت خواجہ احرار فرماتے تھے:-

اگر من شیخی کنم ہیچ در عالم مریدے نیابد امام مرا کار دیگر فرمودہ اند، وآں ترویج شریعت و تائید ملّت است۔	اگر میں خالی پیری مریدی کرنے پر آجاؤں تو دنیا میں کسی پیر کو کوئی مرید نہ ملے لیکن خدا نے مجھے کچھ اور ہی کام سپرد کیا ہے، اور وہ ترویج شریعت اور تائید ملّت ہے۔

پھر اس جملہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

لاجرم بصحبت سلاطین می رفتند و بتصرف خود ایشاں را منقاد می ساختند و بتوسل ایشاں ترویج شریعت می فرمودند۔[1]	آپ بادشاہوں کی مجلسوں میں تشریف لے جاتے تھے، اور اپنی قوت باطنی اور تاثیر روحانی سے ان کو اپنا مطیع و منقاد بنا لیتے تھے، پھر ان کے ذریعہ شریعت کو رواج دیتے تھے۔

جہاں تک نمبر دو کا تعلق ہے، یہ ایک سیاسی ذہنیت رکھنے والے کوتاہ نظر داعی یا قائد کا طرز عمل ہو سکتا ہے، جو اپنا کام شک و بدگمانی سے شروع کرتا ہے، اور اپنی عجلت پسندی، حکمت دعوت اور جذبۂ خیر خواہی و نصیحت پر محاذ آرائی کو ترجیح دینے کے نتیجہ میں حکومت و اقتدار کو اپنا حریف اور مدمقابل بنا لیتا ہے، اور دین کے غلبہ کے امکانات اور میدان کو اور زیادہ تنگ کر لیتا ہے، ایک داعی الی اللہ اور مؤید من اللہ کا طریق کار نہیں ہوتا جس کا مقصد اپنی ذات یا جماعت کے لئے حصول اقتدار نہیں صرف دین کا غلبہ اور احکام شریعت کا نفاذ و اجراء ہوتا ہے، خواہ وہ کسی کے ہاتھ سے ہو۔

جہاں تک عملی اقدام کا تعلق ہے، وہ سخت خطرات سے بھرا ہوا تھا، اور ہندوستان کے اس وقت کے سیاسی نقشہ اور ماحول میں اسلام کے بارے میں ایک طرح سے خودکشی کا اقدام تھا، سلطنت مغلیہ میں جس کو بابر نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے قائم کیا تھا، ہمایوں نے اس کے لئے ایران کا ہفت خواں طے کیا تھا، اور اکبر نے اپنی پے در پے فتوحات اور تسخیر ملک سے اس کو مستحکم کیا تھا، ابھی تک ضعف کے کوئی آثار ظاہر نہیں ہوئے تھے،

---

[1] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۶۵ بنام خانِ اعظم

شیر شاہ سوری جیسے اولوالعزم بادشاہ کا جانشین سلیم شاہ اس کو ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا مختلف وقتوں میں ملک میں رونما ہونے والی بغاوتیں سب ناکام ہو چکی تھیں، پھر اگر مغل فرمانروا کو تخت سلطنت سے اتارنے کی کوشش کامیاب بھی ہو جاتی تو اس کا قوی اندیشہ تھا کہ راجپوت جنھوں نے اکبر کے زمانہ میں خاص طور پر اعلیٰ مناصب حاصل کر لئے تھے، اور جن کی فوجی طاقت خود فرمانروائے سلطنت کے لئے سب سے زیادہ قابل اعتماد سرمایہ تھا، حکومت پر حاوی ہو جاتے، اور اس ملک میں مسلم اقتدار ہمیشہ کے لئے ختم ہو سکتا تھا۔

پھر یہ تجربہ اس سے پہلے ناکام ہو چکا تھا، اکبر کے زمانہ میں شیخ بایزید کی جو پیر روشن اور پیر تاریک کے متضاد ناموں سے مشہور ہیں، قیادت میں ایک بڑی دینی تحریک اور تنظیم فرقۂ روشنائیہ کے نام سے شروع ہوئی تھی، اس نے سالہا سال سلطنت مغلیہ کی افواج قاہرہ کا پامردی سے مقابلہ کیا، اس نے کوہ سلیمان کو مستقر بنا کر درۂ خیبر پر بھی قبضہ جما لیا اور قرب و جوار کے علاقوں پر بھی حملہ آور ہوئی، اکبر نے ان کے مقابلہ کے لئے راجہ مان سنگھ اور راجہ بیربل اور زین خاں کو بھیجا، لیکن وہ سب ناکام رہے، بیربل ایک مقابلہ میں مارا گیا، روشنائیوں نے ایک بڑے لشکر کی مدد سے غزنی پر بھی قبضہ کر لیا، یہ فتنہ جہانگیر کے عہد ہی میں فرو ہو سکا اور اس کا پورا خاتمہ شاہجہاں کے زمانہ میں ہوا، لیکن اس سب کے باوجود اس بغاوت کا سوائے انتشار کے کوئی نتیجہ نہ نکلا اور بالآخر اس کو منظم و مستحکم مغل سلطنت کے سامنے سپر ڈالنی پڑی اور تاریخ میں صرف اس کا نام رہ گیا۔

اس طرح کے فوجی اقدامات جو کسی اصلاح کے نام سے کئے جاتے ہیں سلطنتوں اور اصحاب اقتدار کی مختلف بدگمانیوں کا نشانہ بن جاتے ہیں، اور وہ دین کو اپنا حریف و رقیب سمجھ کر اس کے استئصال اور اس کے ہم خیالوں اور پیروؤں کی تلاش و جستجو کر کے

ان کا قلع قمع کرنے کے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں، غالباً اسی بنا پر گوالیار کی اسیری اور لشکر کی ہمراہی سے رہائی پانے کے چار پانچ سال بعد ۱۰۳۵ھ میں عہد جہانگیری کے مشہور امیر و وزیر مہابت خاں نے بغاوت کی تو اہلِ بصیرت نے اس کو اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی، مجدد صاحب کی فراست ایمانی کی بہت بڑی دلیل اور توفیق الٰہی کا یہ روشن ثبوت تھا کہ انھوں نے حالات میں انقلاب لانے کے لئے پرخطر اور مشتبہ راستہ اختیار نہیں کیا اور تخریب کے بجائے تعمیر، نفی کے بجائے اثبات و ایجاب، اور ازالہ کے بجائے امالہ کا راستہ اختیار کیا جو ہر طرح کے خطرات سے محفوظ اور ایک بے ضرر راستہ تھا۔

اب مجدد صاحب کے سامنے ایک ہی راستہ رہ جاتا تھا، اور وہ یہی کہ ان ارکانِ سلطنت سے رابطہ قائم کریں جو بہر حال مسلمان تھے، حضرت مجدد صاحب کو اپنی گہری واقفیت اور خداداد ذہانت سے معلوم تھا کہ دورِ اکبری کے مخالفِ اسلام منصوبہ میں وہ شریک نہیں تھے، وہ اکبر کے بہت سے اقدامات کو ناپسند کرتے تھے لیکن مجبور تھے، ان میں متعدد اسلام کی محبت اور دین کی حمیت سے بھی خالی نہ تھے، ان میں سے کئی ان کے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ اور خود ان سے اگر ارادت کا نہیں تو محبت و عقیدت کا تعلق رکھتے تھے، وہ حضرت مجدد کے اخلاص و بے غرضی اور اسلام کے لئے دلسوزی اور دردمندی سے واقف تھے، ان میں حسب ذیل حضرات ممتاز تھے، نواب سید مرتضیٰ عرف شیخ فرید (م ۱۰۲۵ھ) خان اعظم مرزا کوکہ (م ۱۰۳۳ھ) خان جہاں لودھی (م ۱۰۴۰ھ) صدر جہاں پہانوی (م ۱۰۲۷ھ) لالہ بیگ جہانگیری۔

ہر چہ از دل برخیزد بر دل ریزد

مجدد صاحب نے انھیں امرائے کبار اور ارکان سلطنت کو اپنا مخاطب بنایا،

ان سے مراسلت کا سلسلہ شروع کیا اور صفحۂ قرطاس پر اپنے دل کے ٹکڑے اتار کر رکھ دیئے، یہ خطوط اپنے درد و اخلاص، جوش و تاثیر، زورِ قلم اور قوت انشاء کے لحاظ سے ان خطوط و مکاتیب کے مجموعہ میں جو دنیا کی کسی زبان میں اور کسی دینی اصلاح و تحریک کی تاریخ میں سپردِ قلم کئے گئے ہیں، خاص امتیاز رکھتے ہیں اور سیکڑوں برس گزر جانے کے بعد بھی آج بھی ان میں اثر و دلآویزی پائی جاتی ہے[1]، اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے مکتوب الیہم کے دلوں پر کیا اثر الا ہوگا، حقیقت میں یہی خطوط مجدد صاحب کی دعوت و تبلیغ کے قاصد، ان کے زخمی دل کے صحیح ترجمان، ان کے قطرات اشک اور ان کے لختہائے جگر ہیں، اور دسویں صدی میں ہندوستان کی عظیم سلطنت مغلیہ میں جو عظیم انقلاب رونما ہوا اس میں ان کا بنیادی حصہ اور سب سے بڑا دخل ہے۔

امرائے سلطنت کے نام تحریضی و دعوتی خطوط

ان تحریضی و دعوتی خطوط کی ایک بڑی تعداد نواب سید فرید[2] کے نام ہے جو ارکانِ سلطنت

---

[1] مکتوبات کے ادبی پایہ اور حیثیت کے متعلق مصنف کا وہ تبصرہ دوبارہ پڑھ لیا جائے جو اس نے "تاریخ دعوت و عزیمت" کے حصہ سوم میں حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے مکتوبات سے صدی اور مکتوبات امام ربانی کے ذیل میں لکھا ہے، ملاحظہ ہو "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ سوم ص ۲۴۰-۲۴۵

[2] امیر کبیر نواب مرتضیٰ ابن احمد بخاری معروف بسید فرید کی شخصیت عجیب جامع کمالات و مختلف الجہات تھی، سیاست و انتظام، سخاوت و کرم، تواضع و اخلاق، دین و اہل دین سے محبت اور عالی ہمتی اور بلند نظری کا عجیب نمونہ، عہد اکبری ہی میں میر بخشی گری کے عہدہ تک پہونچ گئے تھے، جب جہانگیر تخت نشین ہوا تو ان کے منصب میں اضافہ کیا اور صاحب سیف و قلم اور مرتضیٰ خاں کا لقب دیا اور پہلے گجرات کا پھر پنجاب کا صوبیدار بنایا (باقی ص ۳۰۴ پر)

اور صوبیدارانِ مملکت میں نمایاں مقام رکھتے تھے، اور اکبر کے عہد سلطنت سے سلطنت کے مقرب و معتمد علیہ تھے، حضرت خواجہ باقی باللہ سے عقیدت و تعلق رکھتے تھے، ان کی سیادت اور دینی حمیت سے حضرت مجدد نے فائدہ اٹھاکر اور اس کا واسطہ دے کر ان کو اپنا فرض دینی اور خاندانی ادا کرنے پر آمادہ کیا اور یہ کہ وہ جہانگیر کو نیک مشورہ دے کر سلطنت کا رخ اکبر کے ڈالے ہوئے راستے پر چلتے رہنے اور اسلام کے تقاضوں سے چشم پوشی اور بے تعلقی، اسلام اور مسلمانوں کی کسمپرسی سے حمایت دین اور شعائر و احکامِ اسلام کے احترام کی طرف موڑنے کی کوشش کریں۔

افسوس ہے کہ ان مکاتیب پر تاریخ کا اندراج نہیں ہے، ورنہ حکمت دعوت اور تدریجی ارتقاء کے کئی اہم گوشے سامنے آتے اور معلوم ہوتا کہ آپ نے کس طرح اپنے مکتوب الیہ اور مکتوب الیہ نے کس طرح بادشاہ کو پھر بادشاہ نے کس طرح سلطنت کے رخ کو حمایت اسلام کے راستہ پر ڈالا، اور پچھلی حکومت کے اثرات کس طرح بتدریج مضمحل ہونے اور ان کی جگہ اسلام دوستی اور اسلام شناسی نے لینا شروع کیا، ہم اپنے اندازہ کے مطابق ان خطوط کے اقتباسات کو کسی قدر ترتیب کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

نواب سید فرید بخاری کے ایک مکتوب میں جو غالباً جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد جلد ہی

(باقی صفحہ ۳۰۳ کا) جس پر وہ مدۃ العمر فائز رہے، جود و سخا میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، کبھی اپنے کپڑے تک اتار کر سائلوں کو دے دیتے تھے، بیواؤں متوکلین اور اہل حاجت کے روزینہ اور سالانہ مقرر کر رکھے تھے، یتیم بچوں پر ماں باپ کی طرح شفقت کرتے، شادی کے قابل غریب لڑکیوں کی شادی اور جہیز کا انتظام کرنا ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا، ان کے دسترخوان پر ڈیڑھ ہزار آدمیوں کے قریب روزانہ کھانا کھاتے، شہر فرید آباد انہی کے نام سے منسوب ہے، ۱۰۲۵ھ میں وفات پائی (نزہۃ الخواطر ج ۵ مختصراً)۔

لکھا گیا ہے، تحریر فرماتے ہیں۔

اپنے آباءے کرام اور خاص طور پر سید الکونین صلے اللہ علیہ وسلم کے جادۂ مستقیم پر ثابت قدم رہنے کی دعا دینے کے بعد لکھتے ہیں :۔

"بادشاہ کو عالم سے وہی نسبت ہے جو دل کو بدن سے ہے، اگر دل صحیح وصالح ہے تو بدن بھی صحیح وصالح ہوگا، اور اگر وہ فاسد ہے تو بدن بھی فاسد ہوگا، بادشاہ کا صلاح عالم کا صلاح ہے، اور اس کا فساد عالم کا فساد ہے۔

آپ کو خوب معلوم ہے کہ قرن ماضی (عہد اکبری) میں اہل اسلام کے سر پر سے کیا مصیبت گذر گئی، اس سے پہلے کی صدیوں میں غربت اسلام کے باوجود اہل اسلام کی ذلت وخواری اس سے زیادہ نہ ہوئی تھی، اس زمانہ میں زیادہ سے زیادہ یہ تھا کہ مسلمان اپنے دین پر رہیں اور اہلِ کفر اپنے طریق پر "لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ" لیکن قرن ماضی میں اہل کفر غالب آکر بر بلاد الاسلام میں احکام کفر کا اجراء کرتے تھے، اور مسلمان اسلام کے احکام کے اظہار سے بھی مجبور تھے، اگر کوئی ہمت بھی کرتا تھا تو موت کی سزا پاتا تھا، "واویلاہ، وامصیبتاہ، واُحزناہ، واحسرتاہ" محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (جو محبوبِ رب العالمین ہیں) ماننے والے ذلیل وخوار تھے، اور آپ کے نبوت کا انکار کرنے والے باعزت وبااعتبار مسلمان اپنے زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی نوحہ خوانی میں مصروف تھے، اور معاندین تمسخر و استہزاء کے ساتھ ان کے زخموں پر نمک پاشی کر رہے تھے، آفتاب ہدایت گمراہی کے پردہ... میں مستور اور نور حق باطل کے حجابات میں مخفی اور روپوش تھا۔

آج جبکہ اسلام کے غلبہ واقبال سے جو چیز مانع تھی، اس کے دور ہو جانے اور بادشاہِ اسلام کے سر برآرائے سلطنت ہونے کا مژدہ خاص وعام کے کانوں تک پہونچا ہے، اہل اسلام

نے اپنی ذمہ ضروری سمجھا کہ وہ بادشاہ کے ممد و معاون بنیں اور شریعت کی ترویج اور ملت کی تقویت کا راستہ دکھائیں، یہ امداد و تقویت خواہ زبان سے میسر آئے خواہ ہاتھ سے"۔

پھر چند سطروں کے بعد گذشتہ عہد کے مرض کی صحیح تشخیص کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"قرن ماضی میں جو مصیبت بھی سر پر آئی وہ علماء سوء کی جماعت کی نحوست سے پیش آئی، بادشاہوں کو یہی لوگ راہ راست سے ہٹا دیتے ہیں، ملت میں جو بہتّر فرقے بنے اور انھوں نے جو راہ ضلالت اختیار کی، ان کے مقتدیٰ یہی علماء سوء تھے، علماء میں سے کم ایسے گمراہ ہوں گے جن کی ضلالت دوسروں پر اثر کرے، اس زمانہ کے اکثر جہلائے صوفی نما بھی علماء سوء کا اثر رکھتے ہیں، ان کا فساد بھی متعدی فساد ہے، اگر کوئی شخص اس کارِ خیر (اعانت دین) میں اعانت دین کی استطاعت رکھتا ہے، اگر اس میں کوتاہی سے کام لیتا ہے، اور کارخانہ اسلام میں فتور واقع ہوتا ہے وہ کوتاہی کرنے والا بھی قابل شکایت ہوگا، اس بنا پر یہ حقیر قلیل البضاعت بھی چاہتا ہے کہ وہ سلطنت اسلام کی مدد کرنے والوں کے جرگہ میں شامل ہو، اور اپنی بساط بھر ہاتھ پاؤں مارے کہ "من کثّر سواد قوم فھو منھم" کیا عجب ہے کہ اس بے استطاعت کو اس عالی جماعت میں شامل کرلے، وہ اپنی مثال اس ضعیفہ کی طرح سمجھتا ہے، جس نے کچھ رسیاں بٹ کر اپنے کو خریداران یوسف کے سلک میں منسلک کرنا چاہا تھا، امید ہے کہ جلد ہی یہ فقیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا، آپ سے اس کی توقع ہے کہ چونکہ آپ کو بادشاہ کا قرب خاص حاصل ہے، اور ان باتوں کے گوش گذار کرنے کے مواقع میسر ہیں، خلوت و جلوت میں شریعت محمدی کی ترویج کی کوشش کریں گے اور مسلمانوں کو اس غربت و بیکسی سے نکالیں گے"[1]

---

[1] مکتوب ۴۷ دفتر اول۔

سید فرید کے نام ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"اس وقت غریب اہل اسلام جو اس گرداب میں گرفتار ہیں، نجات کی امید اہل بیت ہی کے سفینہ سے لگائے ہوئے ہیں، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، "مثل اھل بیتی کمثل سفینۃ نوح من رکبھا نجا ومن تخلف عنھا ھلک"[1] ہمت عالی کو اس مقصد عالی پر مرکوز کردیں کہ یہ سعادت عظمیٰ ہاتھ آئے، اللہ کی عنایت سے ہر طرح کا جاہ وجلال اور عظمت و شوکت آپ کو میسّر ہے، اس شرف ذاتی (سیادت خاندانی) کے ساتھ اگر یہ سعادت بھی شامل ہوجائے تو سب سعادتمندوں سے بازی لے جائیں، یہ حقیر اسی طرح کی باتوں کے عرض معروض کے لئے جن کا مقصد تائید وترویج شریعت ہے، آپ کی خدمت میں آنے کا ارادہ رکھتا ہے"[2]

ایک تیسرے مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

"سیادت پناہا مکرما! آج کے دن اسلام بڑا بیکس اور غریب الوطن ہے، ایک پیسہ بھی جو اس وقت اسلام کی تقویت میں صرف کیا جائیگا، کروڑوں میں خریدا جائے گا، دیکھا چاہئے کہ کون شہباز ہے، جس کو اس دولت عظمیٰ سے مشرف فرمائیں گے، ترویج دین وتقویتِ ملّت کا کام جس زمانہ میں جس شخص سے بھی وقوع میں آئے مستحسن ہے اور خوشنما لیکن اس وقت ... اسلام غریب الوطن ہے، اور آپ جیسے سادات سے زیبا تر ورعنا تر ہے کہ یہ دولت آپ کے خاندان کے لئے خانہ زاد ہے، آپ کے لئے وہ بالذات ہے، اور دوسروں کے لئے بالواسطہ، اس سعادت کے حصول میں اپنے جد امجد کا وارث ہونا بڑی قیمت رکھتا ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مخاطب کرکے ایک مرتبہ فرمایا کہ تم ایسے زمانہ

---

[1] مشکوٰۃ عن ابی ذرؓ از مسند احمد [2] مکتوب نمبر ۵۱ دفتر اول۔

میں ہو کہ اوامر و نواہی کا دسواں حصّہ چھوڑ دو تو ہلاک ہو جاؤ، تمہارے بعد ایک گروہ ایسا آئے گا کہ اگر اوامر و نواہی کے دسویں حصہ پر عمل کریں گے تو نجات پائیں گے، یہ وقت وہی وقت ہے، اور یہ گروہ وہی گروہ ؎

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند

کس بہ میداں در نمی آید سواراں را چہ شد"

سید فرید کے بعد حضرت مجدد کی نظر انتخاب سلطنت مغلیہ کے دوسرے رکن رکین خان اعظم[1] پر پڑی جو شاہی خاندان سے قرابت قریبہ رکھتے تھے، جہانگیر کو بھی ان کی اہمیت و قدر و منزلت کا احساس تھا، مشائخ نقشبندیہ سے بھی ان کو عقیدت و محبت تھی، جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد ہی غالباً حضرت مجدد نے ان کو مکتوب ذیل تحریر فرمایا ہے:۔

"أیدکم اللہ سبحانہ ونصرکم علی أعداء الاسلام فی إعلاء الاسلام" رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث "الاسلام بدأ غریبًا وسیعود کما بدأ فطوبیٰ للغرباء" (اسلام کا آغاز مسافرانہ بیکسی سے ہوا، اور پھر وہ اسی مسافرانہ بیکسی کو پہونچ جائے گا تو مبارک ہو

---

[1] مرزا عزیز الدین نام اکبر کے رضاعی بھائی ہونے کی وجہ سے کوکا خطاب تھا، غزنی پھر دہلی وطن تھا، ۹۸۰ھ میں گجرات کے صوبیدار تھے ان کو محمد حسین مرزا کے محاصرہ سے چھڑانے کے لئے اکبر نے آگرہ سے احمد آباد ایک ہزار چار سو میل کا سفر نو دن میں کیا، گجرات کے بعد بنگال و بہار کے صوبیدار ہوئے، خان اعظم خطاب ملا، دوبارہ ۹۹۷ھ میں گجرات کی صوبیداری ملی، اس قرب و اختصاص کے باوجود اکبر کے غیر شرعی امور پر صاف صاف نکیر کرتے تھے، اس کے باوجود مہر شاہی مہر اوزک ان کے سپرد کی گئی، اور ان کو وکیل مطلق کا عہدہ دیا گیا، جہانگیر نے بھی اہم مناصب حکومت سپرد کئے اور گجرات کی صوبیداری عطا کی، ۱۰۳۳ھ میں انتقال کیا (نزہۃ الخواطر مختصراً)۔

ان لوگوں کو جو اس کے شریک حال ہوں) اسلام کی بیکسی اس حد کو پہونچ گئی ہے کہ کفار برملا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں، اور بے تکلف احکام کفر کے اجراء اور کوچہ و بازار میں اس کی مدح و ثنا سے نہیں شرماتے اس کے مقابلہ میں مسلمان احکام اسلام کے اجراء سے مجبور اور اگر ان پر عمل کر لیتے ہیں تو مذموم و مطعون ہوتے ہیں ؎

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمۂ و ناز
بسوخت عقل زحیرت کہ این چہ بوالعجبی است"

آگے چل کر لکھتے ہیں :-

"آج کے دن جناب کی ہستی کو ہم مغتنم سمجھتے ہیں اور ہاری ہوئی بازی میں آپ کے سوا کسی کو مرد میدان نہیں پاتے، اللہ آپ کا مؤید و ناصر ہو" بحرمۃ النبی وآلہ الأمجاد علیہ وعلیہم الصلوٰت والتحیات والتسلیمات والبرکات" حدیث میں آتا ہے" لن یومن احدکم حتی یقال انہ مجنون" اس وقت وہ جنون جس کا مبنیٰ فرط غیرت اسلام ہے، آپ ہی کی طبیعت میں محسوس ہوتا ہے" الحمد للہ سبحانہ علی ذلک" آج کا دن وہ دن ہے کہ عمل قلیل کو اجر جزیل کے بدلہ میں بڑی قدر کے ساتھ قبول فرماتے ہیں، اصحاب کہف سے سوائے عملی ہجرت کے کوئی اور نمایاں عمل ثابت نہیں، جس کو اتنی اہمیت دی جائے، دشمنوں کے غلبہ کے وقت اگر وفادار سپاہی تھوڑی سی مستعدی دکھائیں تو بڑی عزت پاتے ہیں، بخلاف اس وقت کہ جب امن کا زمانہ ہوتا ہے، اور دشمن اپنی جگہ پر ہوتے ہیں، جہاد قولی کا یہ موقع جو آج آپ کو میسّر ہے، جہاد اکبر ہے، اس کو غنیمت سمجھئے اور "ھل من مزید" کہئے، اس جہادِ لِسان کو جہاد سیف و سنان سے بھی اس وقت افضل سمجھیں، ہم فقیر لوگ بے دست و پا اس دولت سے محروم ہیں۔

هنیئاً لأرباب النعیم نعیمها　　وللعاشق المسکین ما یتجرع

دادیم ترا زگنج مقصود نشاں　　گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی"

پھر چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

"سلطنت سابقہ میں دین مصطفوی کے ساتھ جو عناد نظر آتا تھا، ظاہراً اس سلطنت میں وہ عناد نہیں ہے، اگر ہے بھی تو لاعلمی کی وجہ سے ہے، اندیشہ ہے کہ کہیں یہاں بھی معاملہ اس عناد تک پہونچ جائے اور مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو جائے۔ ع

جو بید بر سر ایمان خویش می لرزم"[1]

دربار جہانگیری کے ایک دوسرے اعلیٰ عہدہ دار خانِ جہاں[2] کے نام یہی مضمون مختصراً لکھتے ہیں:۔

"آپ جس خدمت پر فائز ہیں، اگر اس کو شریعت مصطفوی پر عمل کرنے کے ساتھ جمع کرلیں تو انبیاء علیہم السلام والا کام کریں گے علیہم الصلوٰات والتسلیمات، اور دین متین کو منور و معمور کردیں گے ہم فقیر اگر سالہا سال جان کھپائیں تو اس عمل میں آپ جیسے شہبازوں کے گرد کو نہیں پہونچ سکتے ؎

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند

کس بہ میداں در نمی آید سواراں را چہ شد[3]

---

[1] مکتوب ۶۵ دفتر اول　[2] امیر کبیر خانِ جہاں ابن دولت خاں لودھی، جہانگیر کو ان پر بڑا اعتماد تھا، اور وہ ان سے بڑی محبت کرتا تھا، بڑے علم دوست اور علماء پرور تھے، عام لوگوں سے بھی اچھا سلوک تھا، شاہجہاں کے عہد میں بغاوت کی اور ۱۰۴۰ھ میں قتل کرادیئے گئے (نزہۃ الخواطر ج ۵)۔

[3] مکتوب ۵۴ دفتر سوم۔

ایک دوسرے مفصل مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"وہ دولت جس سے حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو سرفراز فرمایا ہے، اور لوگ اس کی قدر وقیمت سے ناواقف (اور اندیشہ ہے کہ آپ بھی اس سے پورے طور پر آگاہ نہ ہوں) ہیں، یہ ہے کہ بادشاہ وقت سات پشت سے مسلمان چلا آرہا ہے، وہ اہل سنت میں سے ہے، اور حنفی المذہب ہے، اگرچہ چند سال سے اس زمانہ میں کہ قرب قیامت ہے، اور عہد نبوت سے بُعد ہو چکا ہے، بعض لکھے پڑھے لوگوں نے طمع کی نحوست سے جو خرابیٔ باطن کا نتیجہ ہے، حکام وسلاطین سے تقرب حاصل کرکے ان کی خوشامد میں آکر دین متین میں شکوک وشبہات پیدا کر دیئے ہیں، اور سادہ لوح لوگوں کو راستہ سے ہٹا دیا ہے، جہانگیر جیسا بادشاہ عظیم الشان جب آپ کی بات غور والتفات کے ساتھ سنتا ہے، اور اس کو وقعت دیتا ہے تو کیسا نادر موقع ہے کہ آپ صراحتاً یا اشارۃً کلمۂ حق (کلمۂ اسلام) کو جو اہل سنت والجماعت کے اعتقاد کے مطابق ہے، (شکر اللہ تعالیٰ سعیھم) گوش گذار کر دیں، اور جس قدر گنجائش سمجھیں اہل حق کی باتوں کو پیش کرتے رہیں بلکہ برابر اس بات کے جویا اور نگراں رہیں کہ کوئی ایسی تقریب پیدا ہو کہ مذہب وملت کی بات درمیان میں آئے تاکہ اسلام کی حقانیت اور کفر کے بطلان وشناعت کے اظہار کا موقع ملے"[1]

ان ارکان سلطنت کے علاوہ آپ نے ایک دوسرے عہدہ دار سلطنت لالہ بیگ کو بھی اسی مضمون کے خط لکھے جو اکبر بادشاہ کے لڑکے سلطان مراد کے بخشی تھے، اور بہار کے گورنر بھی رہے تھے، تحریر فرماتے ہیں:۔

"زادنا اللہ سبحانہ وإیاکم حمیۃ الاسلام، اسلام کی غربت وبیکسی سو برس ہو رہے ہیں"

---

[1] مکتوب نمبر ۶۷ دفتر دوم۔

اس حد کو پہونچ گئی ہے کہ بلاد اسلام میں اہل کفر محض احکام کفر کے اجراء پر راضی نہیں ہوتے، چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکلیہ زائل ہوجائیں، اور مسلمانوں اور مسلمانی کا کوئی اثر باقی نہ رہے، معاملہ کو اس سرحد تک پہونچا دیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی اسلامی شعائر (مثلاً ذبح بقر) کا اظہار کرتا ہے تو قتل کی سزا کو پہونچ جاتا ہے۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں :-

"ابتداءے بادشاہت میں اگر مسلمانی رواج پاجائے اور مسلمان کچھ عزت پیدا کرلیں فبہا، اور اگر عیاذاً باللہ سبحانہ اس معاملہ میں توقف ہوا تو معاملہ مسلمانوں کے لئے بہت مشکل ہوجائے گا" الغیاث الغیاث ثم الغیاث الغیاث" دیکھئے کون صاحبِ اقبال اس سعادت سے سرفراز ہوتا ہے، اور کون سا شہباز اس دولت کو حاصل کرتا ہے" ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم"[1]

سلطنت جہانگیری کے ایک اور امیر صدر جہاں تھے[2] ان کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے :-

"یقین ہے کہ مقتداءے اسلام، سادات عظام، علماءے کرام ..... خفیہ و علانیہ دین متین کی ترقی و تقویت اور اس صراط مستقیم کی تکمیل میں مشغول ہوں گے، یہ بے سروسامان اس معاملہ میں کیا دراز نفسی سے کام لے[3]"

---

[1] مکتوب ۱۸۱ دفتر اول [2] مفتی صدر جہاں پہیانی (حال ضلع ہردوئی) کے رہنے والے تھے، علوم عربیت میں خاص امتیاز رکھتے تھے، پہلے لشکر شاہی میں مفتی مقرر ہوئے، پھر صدارت کے عہدہ پر ان کا انتخاب ہوا، جہانگیر کو ان سے تلمذ حاصل تھا، اور اس نے چہل حدیث ان سے حفظ کی تھی، جہانگیر نے چار ہزاری منصب اور وسیع جاگیر عطا کی تھی، ایک سو بیس ۱۲۰ سال کی عمر پائی اس کے باوجود ہوش و حواس سلامت تھے، ۱۰۲۷ھ میں وفات پائی (نزہۃ الخواطر ج ۵) [3] مکتوب ۱۹۴ دفتر اول۔

گذشتہ غلطی کا اعادہ نہ کیا جائے

آخر وہ مبارک وقت آگیا کہ جہانگیر کو غلطی کا احساس ہوا اور اس نے (اپنی حکومت وانتظام کے عام اصول کے مطابق) یہ چاہا کہ علماء کی ایک جماعت دینی امور میں مشورہ دینے اور غلطیوں سے بچانے کے لئے دربار میں موجود رہے، اس نے دیندار ارکان سلطنت سے فرمائش کی کہ چار دیندار علماء کو تلاش کر کے دربار میں ہر وقت حاضر رہنے پر آمادہ کر دیں، جو مسائل شرعیہ کی وضاحت کریں، اور ان سے رہنمائی حاصل کی جاتی رہے، مجدد صاحب جن کو اللہ تعالیٰ نے فراستِ صادقہ اور اعلیٰ دینی بصیرت عطا فرمائی تھی، اور سابق سلطنت کے انحراف کی تاریخ اور اس کے اسباب پر ان کی گہری نظر تھی، یہ اطلاع سن کر بجائے مسرور ہونے کے فکرمند اور پریشان ہو گئے، اور انھوں نے ایک خط شیخ فرید کو اور ایک خط نواب صدر جہاں کو اس مضمون کا لکھا کہ:۔

"خدارا... ایسی غلطی نہ کریں، بجائے متعدد علمائے ظاہر کے ایک مخلص، بے لوث عالم ربانی کا انتخاب کریں"

شیخ فرید کے نام مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ثبتکم اللہ سبحانہ علی جادۃ آباءکم الکرام، سنا گیا ہے کہ بادشاہ اسلام نے اپنے حسن فطرت اور اسلامیت کی بنا پر جو اس کی طبیعت میں ودیعت کی گئی ہے، آپ سے فرمایا ہے کہ چار علمائے دیندار کی خدمات حاصل کریں جو دربار میں رہیں، اور مسائل شرعیہ کو بیان کریں تاکہ بادشاہ کا کوئی حکم یا عمل خلاف شرع واقع نہ ہو" الحمد للہ سبحانہ علیٰ ذٰلک" مسلمانوں کے لئے اس سے بہتر کیا خوشخبری اور ماتم زدوں کے لئے اس سے

بہتر کیا نوید مسرت ہوسکتی ہے، لیکن یہ فقیر ضرورتاً اور مجبوراً اس سلسلہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہے امید ہے کہ معذور قرار دیں گے کہ صاحب الغرض مجنون۔

عرض یہ ہے کہ ایسے علماء دیندار اول تو خود ہی اقل قلیل ہیں، جو حب جاہ وحُبِّ اقتدار سے بلند ہو چکے ہوں اور ترویج شریعت اور تائید ملت کے سوا کوئی غرض نہ رکھتے ہوں، اگر حُبِّ جاہ کی بنا پر ان علماء میں سے کوئی ایک پہلو اختیار کرلے گا اور اپنی فضیلت وبرتری کا اظہار کریگا، اختلافی مسائل درمیان میں لائے گا اور اس کے ذریعہ سے بادشاہ کا قرب اور اس کے یہاں امتیاز واعزاز حاصل کرنا چاہے گا لامحالہ دین کا کام ابتر ہوگا، قرن سابق میں علماء کے اختلافات ہی نے عالم کو مصیبت میں ڈال دیا تھا، اور اب پھر وہی خطرہ درپیش ہے، ترویج دین کا کیا ذکر یہ امر تخریب دین کا باعث ہوگا، "العیاذ باللہ سبحانہ من ذلك ومن فتنة العلماء السوء" (اگر بجائے ان چار کے) ایک عالم کا اس مقصد کے لئے انتخاب کیا جائے تو بہتر ہوگا، اگر وہ علمائے آخرت میں سے ہوگا تو کیا کہنا کہ اس کی صحبت کبریتِ احمر ہے، اور اگر علمائے آخرت میں سے کوئی نہ ملے تو اس طبقہ علماء میں سے بہتر سے بہتر آدمی کا انتخاب کیا جائے کہ "مالا یدرك کله لا یترك کله"

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ :-

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھا جائے، جیسے کہ خلائق کی خلاصی علماء کے ساتھ وابستہ ہے، عالم کا نقصان بھی انہی کے ساتھ مربوط ہے، علماء میں جو بہترین ہیں، وہ عالم میں بہترین ہیں، اور جو ان میں بدترین ہیں وہ مخلوقات میں بدترین ہیں، ہدایت واضلال کو اسی گروہ کے ساتھ مربوط کر دیا گیا ہے، کسی بزرگ نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ فارغ وبیکار بیٹھا ہوا ہے، انھوں نے اس کا سبب پوچھا کہنے لگا کہ اس وقت کے علماء ہمارا کام کر رہے ہیں،

اوراغواء واضلال کا کام کررہے ہیں ؎

عالم کہ کامرانی وتن پروری کند
اوخویشتن گم است کرا رہبری کند

غرض کہ اس معاملہ میں پورے غور وتأمل اور فکر صحیح سے کام لے کر قدم اٹھائیں جب معاملہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو کوئی علاج کارگر نہیں ہوتا مجھے شرم آتی ہے کہ ایسی باتیں زیرک و دانا (جیسے کہ آپ ہیں) حضرات کے سامنے کی جائیں لیکن اس کو اپنے لئے وسیلۂ سعادت سمجھ کر باعث تصدیع ہوا[1]"

عقیدتمند ارکان سلطنت اوران سے خط وکتابت

ان مکتوب الیہم کے علاوہ جن کے نام کے مکاتیب میں حضرت مجدد اسلام کی غربت وبیکسی، احکام وشعائر اسلام کی بے حرمتی اور مسلمانوں کی مجبوری پر خون کے آنسو روئے ہیں اوران کو اپنے قرب واعتماد، خدمات جلیلہ اور منصب وعہدہ کے اثر سے کام لیتے ہوئے، بادشاہ کو صورت حال کی طرف متوجہ کرنے اوراس کی موروثی وخاندانی رگ اسلامیت کو حرکت میں لانے کی کوشش کی طرف توجہ دلائی ہے، کچھ امرائے کبار اور ارا کین سلطنت کے نام آپ کے مکاتیب کی ایک بڑی تعداد ہے، جو اصلاحی وتربیتی ہیں، اور جن میں سلوک و تصوف کے بعض غوامض کو حل فرمایا گیا ہے، دنیائے دنی کی طرف سے بے رغبتی اور نعیم اخروی اور ترقیات باطنی کے حصول کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، یہ خطوط امیر الامراء عبدالرحیم خانِ خاناں (م ۱۰۳۶ھ) قلیج خاں اندجانی اکبری (م ۱۰۲۳ھ) خواجہ جہاں

---

[1] مکتوب ۵۳ دفتر اول، صدر جہاں کے نام مکتوب ۱۹۴ دفتر اول میں بھی اسی مضمون کو مختصراً تحریر فرمایا ہے۔

(م ۱۰۲۹ھ)، مرزا داراب ابن خانِ خاناں جہانگیری (م ۱۰۳۴ھ) اور شرف الدین حسین بدخشی کے نام ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان امراء کبار کو حضرت سے گہری عقیدت و محبت تھی، یہ خطوط ایسے ہی ہیں جیسے ایک شیخ اپنے زیر تربیت مریدین کو لکھتا ہے، ان کی لغزشوں پر متنبہ بھی کرتا ہے، ان کو وعظ و نصیحت بھی کرتا ہے، اور ان کی دینی ترقی اور روحانی استعداد و مناسبت پر خوشی کا اظہار بھی کرتا ہے، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس قوی تعلق اور گہری عقیدت کے بعد ان امراءے کبار نے حضرت مجدد کے اصلاح سلطنت کے منشاء کے مطابق بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنے اور اسلام کی خیر خواہی اور ہمدردی میں کوئی کوتاہی نہ کی ہوگی اور انھوں نے اس کام میں اپنے مخدوم و شیخ کی تمنا پوری کرنے اور دوسرے امراء سلطنت کے ساتھ (جن کو آپ نے اس مقصد عظیم کے لئے خطوط لکھے تھے) تعاون کرنے سے دریغ نہ کیا ہوگا۔

اصلاح حال میں حضرت مجدد کا ذاتی اثر اور فیض

ابھی تک جو کچھ تفصیل بیان کی گئی اس کا تعلق حضرت مجدد کی بالواسطہ کوششوں سے تھا، یعنی انھوں نے امراءے کبار اور ارکان سلطنت کو دین کی نصرت و حمایت، بادشاہ کو احترام دین و شریعت اور اصلاح حال پر اپنے مکاتیب کے ذریعہ جن میں حمیت اسلامی کی بجلیاں کوندتی نظر آتی ہیں، کس طرح پے در پے خطوط لکھے اور ان سے اس مقصد کی تکمیل میں کس طرح کام لیا، یہ سعی یقیناً رائیگاں نہیں گئی، اور ان مکتوب الیہم نے اور خاص طور پر نواب سید فرید نے حکومت کا رخ بدلنے میں بنیادی و مرکزی کردار ادا کیا۔

لیکن ابھی فرمانروائے سلطنت جہانگیر کے مزاج و طبیعت میں وہ تبدیلی نہیں پیدا

ہوئی تھی، جس کی اس عظیم الشان اور دشوار کام کے لئے ضرورت تھی، شخصی و موروثی سلطنتوں میں بادشاہ کی ذات وہ مرکزی نقطہ ہوتی ہے، جس کے گرد حکومت کا سارا نظام گردش کرتا ہے، اس کا کسی بات کے لئے ارادہ کرلینا اور اس کے ذہن کا کسی امر کو قبول کرلینا خدا کے کسی مخلص اور بے لوث بندے سے اس کے دل میں عقیدت و محبت کا پیدا ہوجانا اور اس کے اخلاص پر اعتماد کا ہزاروں میل کے فاصلہ کو گھنٹوں اور منٹوں میں طے کرادیتا ہے، اور بعض اوقات بظاہر ناممکن العمل چیز کو نہ صرف ممکن بلکہ واقعہ بنا دیتا ہے، ابھی تک جہانگیر حضرت مجدد کے روحانی و علمی مقام سے ناآشنا تھا، وہ ان اہل علم و اہل مشیخت میں نہیں تھے، جو درباروں میں آتے جاتے ہیں، اب اس کی کیا صورت تھی کہ جہانگیر کو براہ راست ان سے واسطہ پڑے، وہ ان کے علو مقام سے (اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق) واقف ہو، حکمت الٰہی نے اس کا بھی عجیب و غریب طریقہ پر انتظام کیا جو "عَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ" (ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو) کی تفسیر ہے۔

جہانگیر کا تأثر

باب سوم میں قارئین قلعہ گوالیار کی اسیری اور لشکر شاہی کی نظر بندی کی داستان پڑھ چکے ہیں، لشکر شاہی کے ساتھ حضرت مجدد ۳½ سال تک رہے[1]، بادشاہ سے صحبتیں رہیں، مسائل دینیہ پر مذاکرہ و گفتگو رہی، بادشاہ نے حضرت مجدد کی دینی صلابت اور

---

[1] قلعہ گوالیار سے رہائی جمادی الثانی ۱۰۲۹ھ میں ہوئی تھی، اور لشکر شاہی سے رخصتی ذی الحجہ ۱۰۳۲ھ میں ہوئی اس طرح ساڑھے تین سال بنتے ہیں۔

استقامت کا نمونہ سجدۂ تعظیمی اور آداب شاہی سے انکار اور گوالیار کی اسیری میں پوری خودداری اور عزت نفس کے ساتھ رہنے اور معافی نہ مانگنے کی شکل میں دیکھا حضرت مجدد کے روحانی فیوض و برکات اور ان کی صحبت کی تاثیر کو سیکڑوں غیر مسلموں کے قبول اسلام کی شکل میں دیکھا، پھر لشکر شاہی کی طویل رفاقت میں ان کے زہد و استغناء اور ان کی عبادت و معمولات کی پابندی کو بھی دیکھا، مجلس کی گفتگو میں ان کے رسوخ فی العلم کا بھی تجربہ کیا اور یقیناً وہ ایک سلیم الطبع، ذہین اور ہوشمند فرمانروائے سلطنت کی حیثیت سے جس کو امراء و علماء و مشائخ، دنیاداروں اور دینداروں کی ایک بڑی تعداد کے حالات کا اپنے والد اکبر کے دور سے اس وقت تک مطالعہ کرنے کا موقع ملا تھا، اور اس سے اس میں مردم شناسی کی وہ صلاحیت پیدا ہو گئی تھی، جو ان لوگوں کو حاصل نہیں ہو سکتی جن کو کھرے اور کھوٹے کے پرکھنے کا اتنا طویل موقع نہیں ملتا، مجدد صاحب کے متعلق ضرور سمجھ گیا ہوگا کہ وہ ان لوگوں سے بہت مختلف ہیں جو ابھی تک دربار کی زینت یا بوریائے فقر کے مسند نشین تھے۔

واقعہ ذیل میں جو جہانگیر نے خود تفصیل اور ایک حد تک تشکر و فخر کے اظہار کے ساتھ لکھا ہے، حضرت مجدد کی صحبت و جذبات کا اثر صاف جھلکتا ہے، جہانگیر کے اس اقدام کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے، اگر یہ واقعہ سامنے رکھا جائے کہ یہ قلعہ آزمودہ کار مسلمان سپہ سالاروں کے بجائے راجہ بکرماجیت کے ہاتھوں فتح ہوا تھا۔

جہانگیر لکھتا ہے :-

بتاریخ بست و چہارم ماہ مذکور متوجہ سیر قلعہ کانگڑہ شدم و حکم کردم کہ قاضی و میر عدل و دیگر علماء اسلام در رکاب بودہ آنچہ شعار اسلام و شرائط دین محمدی است در قلعہ مذکور بعمل آرند، بالجملہ قریب یک کروہ

ماہ مذکور (دی) کی ۲۴ تاریخ[1] کو قلعہ کانگڑہ کی سیر کے ارادہ سے نکلا، میں نے حکم دیا کہ قاضی و میر عدل اور دیگر علمائے اسلام ہمرکاب ہوں جو اسلامی شعائر اور دین محمدی کے شرائط ہیں، وہ اس قلعہ مذکور میں عمل میں لائیں مختصراً

[1] مطابق یکم ربیع الاول ۱۰۳۱ھ

طی نمودہ برفراز قلعہ برآمدہ شد، بتوفیق ایزد سبحان
ایک کوس کی مسافت طے کرکے قلعہ کی بلندی پر پہونچا

بانگ نماز و خواندن خطبہ و کشتن گاؤ وغیرہ کہ از ابتدائے
توفیق الٰہی سے اپنی موجودگی میں اذان دلوائی خطبہ پڑھا

بناء ایں قلعہ تا حال نشدہ بود ہمہ را در حضور خود
گیا اور ذبیحہ گاؤ پر جس پر اس قلعہ کی تعمیر کے وقت سے کبھی

بعمل آوردم، سجدات شکر ایں موہبت عظمی کہ ہیچ
عمل نہیں ہوا تھا) اپنے سامنے عمل کرایا، اس انعام الٰہی پر کہ کسی

بادشاہی توفیق بر آں نیافتہ بود تبقدیم رسانیدہ
بادشاہ کو کبھی اس کی توفیق نہیں ہوئی تھی، شکر کے سجدے بجا

حکم فرمودم کہ مسجد عالی درون قلعہ بنا نہند۔[1]
لایا، میں نے حکم دیا کہ ایک بلند و بالا مسجد قلعہ کے اندر تعمیر کی جائے۔

اس بالواسطہ اور بلاواسطہ کوشش سے اولاً سلطنت کا رخ اسلام کی طرف سے تغافل بلکہ تجاہل (اور اس سے آگے بڑھ کر مخالفت) سے ہٹ کر اسلام کے احترام اور شعائر اسلام کی بلندی اور بادشاہ اسلام کی اسلام سے دلچسپی کی طرف تبدیل ہوا، جس کا سلسلہ جہانگیر کے آخری دور سے شروع ہو کر صاحبقران ثانی شاہجہاں کے عہد سلطنت پر سایہ فگن ہوا۔

شاہجہاں کا دور

صاحبقران ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی (۱۰۰۰ھ - ۱۰۷۵ھ) کا دور جس کا عہد سلطنت ۱۰۳۶ھ سے شروع ہو کر بڑی شان و شوکت کے ساتھ ۳۱ سال رہا اور جو حضرت مجدد کی وفات کے دو سال بعد تختِ سلطنت پر بیٹھا ایک غیر محسوس تدریجی اصلاح و بہتری کا دور تھا، شاہجہاں کے متعلق اس بات کا کوئی قابل اعتماد تاریخی ثبوت نہیں ہے کہ وہ حضرت مجدد یا ان کے فرزند ارجمند خواجہ محمد معصوم سے باقاعدہ بیعت و ارادت کا تعلق رکھتا تھا، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کے دل میں ہمیشہ حضرت مجدد کے لئے نرم گوشہ اور احترام و اخلاص رہا چنانچہ جب حضرت مجدد نے بادشاہ کی طلبی پر دربار میں آنے کا ارادہ کیا، اور یہ معلوم تھا کہ حضرت مجدد سجدۂ تعظیمی اور دربار کے آداب قبول نہیں کریں گے،

[1] توزک جہانگیری، جشن شانزدھمیں نوروز، ص۳۴

تو شاہجہاں نے افضل خاں اور مفتی عبدالرحمٰن کو (جو شاہزادہ کے مصاحبین و متوسلین میں تھے) بعض کتب فقہیہ کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ "سجدۂ تعظیمی سلاطین کے لئے جائز ہے، اور فقہاء نے خاص حالات میں اس کی اجازت دی ہے، اگر آپ ملاقات کے وقت بادشاہ کے لئے یہ آداب بجالائیں تو میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ آپ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا" حضرت مجدد نے اس کو قبول نہیں کیا، اور فرمایا کہ یہ رخصت ہے، عزیمت یہی ہے کہ غیر اللہ کو کسی حال میں سجدہ نہ کیا جائے[1]۔

شاہجہاں کے متعلق مورخین کا اتفاق ہے کہ وہ ایک نیک دل بادشاہ شریعت کا احترام کرنے والا، عظیم مساجد کی تعمیر کا خاص شوق رکھنے والا، اور اپنی ذات سے فرائض شرعی کا پابند تھا، علماء اور صلحاء کو اپنے قریب رکھتا تھا، اور ان پر اعتماد کرتا تھا، اس کے وزیر با تدبیر جملۃ الملک سعد اللہ خاں علامی (م ۱۰۶۶ھ) اپنے عہد کے ایک ممتاز عالم اور صاحبِ درس تھے[2]، اس ذاتی دینداری و خدا ترسی کے ساتھ (جو ایک وسیع سلطنت رکھنے والے خود مختار بادشاہ کی زندگی میں غنیمت سمجھی جانی چاہئے) شاہجہاں نے عہد پیشیں کی بعض خلاف شرع رسوم و آداب کو بھی بند کیا، شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب فارسی کی معاصر تاریخوں بادشاہ نامہ وغیرہ کے بیانات کی بنا پر لکھتے ہیں:-

"جب شاہجہاں نے تخت سلطنت پر جلوس کیا تو اس کو مراسم ملت مصطفوی اور شریعت محمدی کا جس میں کچھ خلل پڑ گیا تھا، ایسا پاس و لحاظ تھا کہ اول اس نے حکم دیا کہ سجدہ کرنے کی تعظیم کا معبود حقیقی سزاوار ہے، اب آئندہ کوئی دوسرے کے لئے اپنی پیشانی کو خاک مذلت پر نہ رکھے، مہابت خاں کے کہنے سے اس کی جگہ پر زمیں بوس مقرر کیا، مگر اس میں بھی سجدہ کے ساتھ مشابہت

---

[1] تفصیل کے لئے کتاب کا باب سوم ملاحظہ ہو۔ [2] مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" جلد ۵

ہوتی تھی، اس کو بھی موقوف کرکے تسلیم چہارم مقرر کی۔"[1]

سر رچرڈ برن (SIR RICHARD BURN) **لکھتا ہے کہ:۔**

"شاہجہاں اسلامی عقائد کو سختی سے دوبارہ نافذ کرنا چاہتا تھا لیکن دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے متعرض بھی نہیں ہونا چاہتا تھا، اس نے جلد ہی تخت شاہی کو سجدہ کرنے کی رسم دربار سے اٹھا دی ..... الٰہی سنہ بھی جسے اکبر نے رائج کیا تھا، اس کا سرکاری کاغذات اور سکّوں پر استعمال شاہجہاں کی تخت نشینی کے چند سال بعد ختم ہوگیا، ..... ۱۶۳۴ء میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مناکحت جو پنجاب و کشمیر میں عام تھی، ممنوع قرار دے دی گئی۔"[2]

مولوی ذکاء اللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

"سرکار خاصہ سے قاضی و معلم مقرر ہوئے کہ احکام شریعت و آداب عبادت کی تعلیم کریں ..... شیخ محمود گجراتی مقرر ہوا کہ تحقیق و ثبوت کے بعد مسلمان عورتوں کو ہنود کے تصرف سے نکالے، اور ان کی عمارات و مساجد کو جدا کرے، اس نے حکم مذکور کے مطابق عمل کیا کئی ایک مسجدوں کو جو ہنود کے زیر تصرف تھیں، ان کو جدا کیا اور ہنود سے جرمانہ لے کر ان کو تعمیر کرایا، جن ہنود نے قرآن شریف کی بے ادبی کی تھی، ان کو بعد ثبوت ..... عبرتناک سزا دی، پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ تمام ولایت پنجاب میں جس جگہ یہ صورت ہوئی ہو اس کو مہمات شرعی کے متکفل تحقیق کریں۔"[3]

لیکن اس احترام شریعت اور قدرے دینی حمیت کے ساتھ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شاہجہاں اپنے متشرع، صاحبِ علم اور صاحب صلاحیت فرزند اورنگ زیب کے مقابلہ میں اپنے صلح کل، آزاد مشرب بڑے بیٹے دارا شکوہ کو ترجیح دیتا تھا، اور اسی کو تخت و تاج کا وارث اور اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا، اور یہی شخصی و موروثی سلطنتوں اور "دین و سیاست کی تفریق"

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد ۷، صفحہ ۵۵-۵۶ باختصار [2] CAMBRIDGE HISTORY OF INDIA VOL. IV P. 217

[3] تاریخ ہندوستان جلد ۷، صفحہ ۱۷۵-۱۷۶ باختصار۔

کے اصول پر کاربند فرمانروایانِ سلطنت کی وہ خصوصیت ہے، جہاں ان کی ذاتی دینداری امورِ سلطنت پر اثر انداز اور کسی غلط یا مضر جانشیں کے انتخاب میں مانع نہیں بنتی۔

شاہزادہ داراشکوہ

عہد عالمگیری میں جو تاریخیں مرتب کی گئیں ہیں، محض ان کے اعتماد پر ہم داراشکوہ کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے نہ اس کے قطعی طور پر بے دین و بدعقیدہ ہونے کا حکم لگا سکتے ہیں، اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تخت و تاج کے لئے بھائیوں کی یہ جنگ خالصتہً دو فلسفوں، دو طریق فکر اور دین و لادینیت کی جنگ تھی، لیکن غیر مسلم اور غیر جانبدار مؤرخوں کے بیانات سے بھی اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے پردادا اکبر کے رنگ سے قریب تر، اور وحدت ادیان کے نظریہ سے متاثر اور شریعت و ویدانت میں مطابقت ثابت کرنے کے لئے کوشاں تھا، فرانسیسی ڈاکٹر برنیر لکھتا ہے کہ "یوزی صاحب فلیمش پادری کے مواعظ دینیہ کو بہت رغبت سے سنتا تھا، ہندو مسلمان کو ایک مذہب کرنا چاہتا تھا"، دائرۂ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار کے بقول:۔

"وہ تصوف سے خاصی دلچسپی رکھتا تھا، اور ہندو فلسفہ کے زیر اثر تھا، اس نے مسلمان صوفیا اور ہندو سنیاسیوں سے گہرے تعلقات قائم کر لئے تھے، ان میں (مسلمان صوفیوں اور علماء کے ساتھ) سرمد مشہور آزاد مشرب وجودی، اور بابا لال داس بیراگی، کبیر کا پیرو بھی تھا"

"دارا کی بعض متاخر تصانیف سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ نظریہ وحدۃ الوجود کا پیرو تھا، وہ ہندو فلسفہ اور صنمیات سے متاثر تھا جس کی وجہ سے وہ متعدد ایسے ملحدانہ خیالات کی طرف مائل ہو گیا جن کے واضح مماثل ہندو فلسفہ میں پائے جاتے ہیں، اور جن کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ..... دارا اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ ویدانت اور تصوف جن کے ذریعہ "حق"

کا ادراک کرنا چاہیئے، وہ باہم مخالف نہیں، فرق صرف لفظوں کا ہے "اوپنشدوں" کے ترجمہ میں جسے وہ "وحدت" کا سرچشمہ بیان کرتا تھا، دارا نے دو بڑے مذاہب اسلام اور ہندومت کے پیروؤں کے مشترکہ نظریات کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی، نیز اس نے یہ چاہا کہ ہندؤں کے اعتقادات سے مسلمانوں کو شناسا کرائے۔"[1]

دارا کے ان افکار و خیالات، رجحانات و جذبات کی بنا پر جو اس وقت کے ہندوستانی مسلم معاشرے سے مخفی نہیں رہ سکتے تھے، اور جس کا بیدار مغز شہزادے اورنگ زیب نے پورا فائدہ اٹھایا ہوگا، ذرا بھی محل استعجاب نہیں کہ ہندوستان کے دیندار حلقے علماء دین اور متبع شریعت شیوخ طریقت اور ان کے متبعین نے جو اکبر کے دور میں اسلام کی بے بسی و بے دخلی کا منظر دیکھ چکے تھے یا انھوں نے اپنے بزرگوں سے سنا تھا، اس جنگ برادران میں داراشکوہ کے مقابلہ میں، حامیٔ اسلام، پابند مذہب و شریعت شاہزادہ اورنگ زیب کی نصرت و حمایت اور اپنی دعاؤں اور ترغیب و تحریض سے اس کی پوری مدد کی ہو۔[2]

اس کشمکش کا نتیجہ سب کو معلوم ہے کہ اورنگ زیب نے داراشکوہ پر فتح پائی اور ۱۰۶۸ھ میں سربرآرائے سلطنت ہوا اور پوری نصف صدی بڑے کروفر کے ساتھ حکومت کی۔

محی الدین اورنگ زیب عالمگیر اور اس کی دینی حمیت و حمایت

اورنگ زیب عالمگیر نے (جس کو حضرت مجدد کے خاندان سے عقیدت اور ان کی

---

[1] مقالہ داراشکوہ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ جلد ۹ مقالہ نگار (ستیش چندر [وادارہ]) نیز ملاحظہ ہو "AURANGZEB" از ظہیرالدین فاروقی ص ۳۸-۴۷

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر محمد اسلم کا مقالہ "اورنگ زیب کی تخت نشینی میں علماء و مشائخ کا کردار" مشمولہ "تاریخی مقالات" از پروفیسر محمد اسلم ص ۲۲۶-۲۴۳

دعوت ومسلک سے شروع سے مناسبت تھی) حضرت خواجہ محمد معصوم سے بیعت وارادت کا تعلق قائم کرلیا تھا[1]، اس بات کے متعدد شواہد وقرائن ہیں کہ بادشاہ کا تعلق حضرت خواجہ سے محض غائبانہ عقیدت اور عام نیازمندی کا نہ تھا، بلکہ اس نے باضابطہ اصلاح وتربیت کا تعلق بھی حضرت سے قائم کرلیا تھا، حضرت خواجہ محمد معصوم کی اورنگ زیب کی شہزادگی کے وقت سے اُس پر نظر خاص تھی، اور وہ اس کو شہزادۂ دین پناہ (جو ایک پیشین گوئی اور فالِ نیک تھی) کے لقب سے یاد فرماتے ہیں، حضرت خواجہ سیف الدین اپنے والد ماجد حضرت خواجہ محمد معصوم کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

"بادشاہ (اورنگ زیب) دین پناہ را در خدمت حضرت اخلاص بہ نوع دیگر است، از ذکر لطائف وذکر سلطانی گزشتہ بذکر نفی واثبات مقید است، وظاہر می سازد کہ بعضے اوقات خطرہ مطلقاً نمی آید، وگاہے کہ می آید استقرار نمی کند ازیں راہ خیلے محفوظ است ومی گوید کہ پیش ازیں من از ہجوم خواطر دلِ تنگ بودم وشکر ایں نعمت بجا می آرد۔"[2]

بادشاہ دین پناہ کا حضرت کے ساتھ اخلاص اور ہی طرح کا ہے، لطائف ستہ اور سلطان الاذکار کے ذکر سے گذر کر اس وقت نفی واثبات کے ذکر کی منزل پر ہیں، ان کا بیان ہے کہ بعض اوقات وسوسہ مطلق نہیں آتا اور کبھی آتا بھی ہے تو اس کو استقرار نہیں ہوتا، وہ اِس چیز سے بہت محفوظ ہیں، فرماتے ہیں کہ اِس سے پہلے میں وساوس وخطرات کے ہجوم سے پریشان ہوجاتا تھا، وہ اس نعمت کا شکر بجالاتے ہیں۔

---

[1] مکتوبات سیفیہ مکتوب نمبر ۸۳ بنام صوفی سعداللہ افغانی [2] ایضاً مکتوب نمبر ۲

خواجہ سیف الدین کے اس خط کے جواب میں حضرت خواجہ محمد معصوم نے جو مکتوب تحریر فرمایا، اس میں آپ نے خدا کا شکر ادا کیا ہے جس نے بادشاہ کو روحانی مراتب عطا فرمائے اِس خط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ کو فنائے قلبی کا مقام حاصل ہو چکا تھا، جو سلوک میں ایک بلند مقام ہے[1]۔

ابوالفتح "آداب عالمگیری" میں لکھتا ہے کہ :-

"اورنگ زیب کی تخت نشینی کے فوراً بعد خواجہ محمد معصوم اور ان کے برادر بزرگ خواجہ محمد سعید دربار شاہی میں تشریف لائے اورنگ زیب نے اس موقعہ پر تین سو طلائی مہریں نذر کیں[2]"

پروفیسر محمد اسلم صاحب نے اپنے مضمون "اورنگ زیب کی تخت نشینی میں علماء و مشائخ کا کردار" میں "مرآت العالم" اور "فتوحات عالمگیری[3]" کے حوالہ سے متعدد واقعات نقل کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے اِس خاندان اور حضرت مجدد کے فرزندوں سے گہرے روابط تھے[4]، یہ حضرات بادشاہ سے ملاقات کرتے تھے، اور بادشاہ ان کی خدمت میں

---

[1] مکتوبات خواجہ محمد معصوم مکتوب ۲۲۰ [2] ابوالفتح "آداب عالمگیری" قلمی نسخہ انڈیا آفس لائبریری لندن ایتھے، ۳۱ ورق ب ۴۳۱، محمد کاظم، عالمگیر نامہ، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۸ء ص ۲۹۳ (منقول از تاریخی مقالات از پروفیسر محمد اسلم)

[3] یہ دونوں کتابیں انڈیا آفس لائبریری اور برٹش میوزیم لندن کے کتب خانہ میں ہیں۔ [4] حضرت خواجہ سیف الدین کے مکتوبات کا جو بادشاہ عالمگیر کے نام ہیں، اور مکتوبات سیفیہ کے نام سے شائع ہوئے ہیں، اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ بادشاہ کا تعلق حضرت خواجہ سیف الدین سے علی الخصوص اور خاندان مجددی سے علی العموم محض احترام و عقیدت کا نہیں تھا جیسا کہ دیندار اور خوش اعتقاد بادشاہوں کا اپنے عہد اور مملکت کے علماء و مشائخ سے رہا ہے، بلکہ یہ تعلق ضابطہ سے زیادہ رابطہ عقیدت سے زیادہ تربیت و استفادہ کا تھا، حضرت خواجہ سیف الدین اپنے والد نامدار کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں، جو ترتیب میں تیسرا مکتوب ہے :-

حضرت سلامت دریں روزہا صحبتہائے طولانی واقع می شود — حضرت سلامت! ان دنوں طویل طویل صحبتیں اور مجلسیں ہوتی ہیں،

(باقی ص ۳۲۶ پر)

قیمتی تحائف پیش کرتا تھا، دہلی سے لاہور جاتے اور واپس آتے وقت وہ کئی بار سرہند میں حضرت خواجہ محمد معصوم اور خاندان مجددی کے دوسرے افراد سے ملا۔

مفتی غلام سرور صاحب "خزینۃ الأصفیاء" کی روایت کے مطابق بادشاہ نے حضرت خواجہ محمد معصوم سے متعدد بار استدعا کی کہ وہ سفر و حضر میں اس کے ساتھ رہا کریں، لیکن انھوں نے اپنے والد بزرگوار کی نصیحت کے مطابق بادشاہ کے ساتھ رہنا پسند نہیں فرمایا، اور اپنی جگہ اپنے فرزند گرامی قدر خواجہ سیف الدین کو دہلی بھیج دیا، "مکتوبات معصومیہ" میں دو مکتوب ایک نمبر ۲۲۱ دوسرا نمبر ۲۴۷ بادشاہ کے نام ہیں، اور ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کا حضرت خواجہ سے ارادت و تربیت کا تعلق ہے، ان کے اور بادشاہ کے روابط اور بادشاہ کے ان سے اثر پذیر

(باقی صـ ۳۲۵ کا)

وبعضے کاتب غامضہ مذکور می گردد و با خلاص تمام می شنود۔

بعض دقیق مکاتیب کا مذاکرہ بھی ہوتا ہے اور بادشاہ پورے اخلاص کے ساتھ سماعت فرماتے ہیں۔

مکتوب نمبر ۱۴۲ میں جو شیخ محمد باقر لاہوری کے نام ہے، تحریر فرماتے ہیں:۔

بادشاہ دیں پناہ شب شنبہ کہ شب سوم ایں ماہ باشد بمنزل فقرا آمدہ از قسم اطعمہ بے تکلف ازاں چہ حاضر بود تناول فرمودند و صحبت طولانی گشت و مجلس سکوت نیز درمیان آمد ..... بالجملہ ترویج طریقۂ عالیہ امید است کہ موافق خواہش مخلصانہ بظہور آید۔ صـ ۱۶۸-۱۶۹

بادشاہ دیں پناہ شنبہ کی رات کو جو اس مہینہ کی تیسری رات تھی غریب خانہ پر تشریف لائے، جو بے تکلف کھانے حاضر تھے ان کو تناول فرمایا، صحبت نے طول کھینچا درمیان میں سکوت کی مجلس بھی پیش آئی، مختصر یہ کہ امید ہے کہ مخلصین کی خواہش کے مطابق طریقۂ عالیہ کی ترویج بھی ظہور میں آئے گی۔

تعلقات و اثرات کا یہ سلسلہ عالمگیر کی وفات کے بعد تک جاری رہا، چشتی نظامی سلسلہ کے مشہور شیخ جن سے اس طریقہ کو حیات نو حاصل ہوئی شاہ کلیم اللہ جہان آبادی (م ۱۱۴۳ھ) نے اپنے خلیفۂ خاص حضرت شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کو جو خطوط لکھے ہیں، ان میں بعض خطوط میں ہدایت کی ہے کہ چونکہ اس وقت بادشاہ کے ساتھ اورنگ آباد میں مجددی خاندان کے صاحبزادے بھی ہیں، اس لئے سماع و قوالی کی مجلسیں منعقد کرنے میں احتیاط برتی جائے کہ مبادا ان حضرات کو گرانی اور تکدر ہو[1] جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ دکن کی مہمات اور وہاں کے طویل قیام میں اس خاندان کے عالی مرتبہ افراد وقتاً فوقتاً بادشاہ کے شریک صحبت اور دعا و توجہات سے معاون و شریک حال رہا کرتے تھے۔

---

[1] تاریخ مشائخ چشت، از پروفیسر خلیق احمد نظامی، صـ ۴۱۸-۴۱۹

ہونے اور ان کی ہدایتوں پر عمل کرنے کا تذکرہ باب ہشتم میں خواجہ سیف الدین کے تذکرہ میں آئے گا' خواجہ سیف الدین بادشاہ کے ساتھ رہ کر ترویجِ شریعت و احیاءِ سنت کے کام میں برابر ساعی و سرگرم رہے' ان کے خطوط کے مجموعہ "مکتوبات سیفیہ" میں بادشاہ کے نام اٹھارہ[1] مکتوبات ہیں، جن میں بادشاہ کی توجہ' ازالۂ بدعات' احیائے سنت اور اعلاء کلمۃ اللہ کی طرف مبذول کرائی گئی ہے۔

کسی فرمانروائے سلطنت اور خود مختار بادشاہ کے پورے اعمال و اخلاق' اس کے فیصلوں اور اقدامات کی ذمہ داری لینی مشکل ہے' اور ان سب کو اسلامی تعلیمات اور احکام شریعت کے مطابق ثابت کرنا ممکن نہیں، یہ بات تو صرف خلفائے راشدین اور ایسے چند حکمرانوں کے متعلق کہی جا سکتی ہے' جو اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرح خلافت علی منہاجِ النبوۃ کے قائل و عامل تھے، پھر یہ متنازع فیہ اقدامات اور سیاسی و انتظامی کارروائیاں کن مجبوریوں اور مصلحتوں کے پیش نظر عمل میں آئیں' اور مؤرخین نے ان کی جو تصویر پیش کی ہے وہ کس حد تک واقفیت پر مبنی تھی، طویل زمانہ گذر جانے کے بعد اور صحیح شہادتوں کی غیر موجودگی میں ان کے بارے میں فیصلہ کرنا آسان نہیں، پھر بھی عالمگیر کے متعلق جو مستند تاریخی مواد موجود ہے' اس کی بنا پر پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ بادشاہ حضرت مجدد صاحب کی اصلاحی و تجدیدی تحریک، سلطنت کو "خادم اسلام" کے بجائے "خادم اسلام" بنانے کی انقلاب انگیز مگر خاموش کوششوں اور ان کے فرزندوں اور خاندان کی گہری و بے لوث روحانیت اور دلآویز شخصیتوں سے پورے طور پر متاثر تھا، اور اس نے حضرت مجدد کی دعوت و مقاصد سے ہم آہنگی پیدا کر لی تھی، وہ نظامِ سلطنت اور معاشرہ میں جرأت مندانہ

---

[1] مکتوب نمبر ۲۰-۲۲-۲۳-۲۶-۳۵-۳۹-۵۶-۵۷-۵۹-۶۰-۶۷-۷۲-۷۴-۷۶-۸۰-۱۶۱-۱۶۴-۱۶۵-
(مکتوبات سیفیہ)

اور دوررس تبدیلیاں لانا چاہتا تھا، اور اس نے پہلی مرتبہ بعض ایسی اصلاحات نافذ کی تھیں، جن سے اگرچہ حکومت کا مالیہ متاثر ہوتا تھا، لیکن شریعت کے بعض صریح احکام کا نفاذ ہوتا تھا۔

ہم اس کی ذاتی زندگی کو اس وقت چھوڑتے ہوئے جس کے متعلق تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ وہ ایک متشرع، پابند مذہب بلکہ متقی مسلمان کی زندگی تھی، اور جس کے لئے بطور مثال کے چند نمونے کافی ہیں :۔

"رمضان کا مہینہ تھا، لوئیں چلتی تھیں، دن بڑے ہوتے تھے، بادشاہ دن کو روزہ رکھتا وظائف پڑھتا، تلاوت وکتابت اور حفظ کلام مجید کرتا، اور اپنی عدالت وسلطنت کے کاموں کو انجام دیتا، شام کو افطار کرکے "مسجد غسلخانہ" (موتی مسجد) میں نماز وتراویح اور نفل پڑھتا، آدھی رات کو کچھ قلیل غذا کھاتا، رات کو بہت کم سوتا، اکثر عبادت کرتا، بعض متبرک راتوں کو ساری رات عبادت ہی میں گذارتا، اسی طرح سارا مہینہ گذارا"[1]

انتقال کا حال بیان کرتے ہوئے مؤرخ لکھتا ہے :۔

"سال پنجاہ ویک (جلوس) ۱۱۱۸ھ تپ بڑی شدت سے چڑھی چار روز تک باوجود اشتداد مرض بسبب کمال تقوی کے پانچ وقت کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی ایک وصیت نامہ تھا کہ جس میں اس نے اپنی تجہیز وتکفین کے متعلق لکھا تھا کہ ساڑھے چار روپیہ جو میرے ہاتھ کی محنت کی ٹوپیوں کی سلائی سے بچے ہیں، اس میں تجہیز وتکفین ہو، اور آٹھ سو پانچ روپئے جو قرآن نویسی کی اجرت سے حاصل ہوئے ہیں، مساکین میں تقسیم ہوں، روز جمعہ ۲۸ ذی قعدہ ۵۱ جلوس مطابق ۱۱۱۷ھ کو بادشاہ نے صبح کی نماز پڑھ کے کلمۂ توحید کا ذکر شروع کیا،

---

[1] "تاریخ ہندوستان"، جلد ہشتم، از شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ دہلوی مرحوم ص ۲۱۴ (ماخوذ از مآثر عالمگیری وغیرہ)

ایک پہر دن چڑھے اس دار فنا سے روضۂ جناں کو تشریف فرما ہوا۔"[1]

ہم یہاں پر عالمگیر کے صرف ان احکام و فرامین کا ذکر کریں گے، جن کا تعلق شعائر اسلام کے احترام اور احکام شریعت کے نفاذ و اجراء سے ہے۔

۱۰۶۹ھ اور جلوس کے سال دوم کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے مؤرخ لکھتا ہے:۔

"جلال الدین محمد اکبر شاہ کے عہد سے دفتر و جلوس کے سال و ماہ کی بنا غرۂ فروردی پر رکھی گئی تھی، اس تاریخ میں آفتاب برج حمل میں داخل ہوتا ہے، بہار کا موسم ہوتا ہے، اس بادشاہ کے جلوس کی تاریخ بھی اس تاریخ کے قریب تھی، تو اس نے سارا حساب فروردی سے لے کر اسفندار[2] کے مہینوں تک مقرر کیا تھا، اور مہینہ کا نام ماہ الٰہی رکھا تھا، چونکہ یہ طریقہ آتش پرست بادشاہوں اور مجوسیوں کے مشابہ تھا، اس لئے بادشاہ نے شریعت کا پاس کر کے جلوس و جشن اور دفتر کے حسابوں کے لئے سال و ماہ قمری عربی کا حساب مقرر کیا، اور حکم دیا کہ سال شمسی پر عربی سال و ماہ مقدم ہوں، اور جشن نوروز بالکل موقوف ہو .....

سب جانتے ہیں کہ ہمیشہ موسموں میں قمری ماہ بدلتے رہتے ہیں، قمری سال و ماہ کے حساب رکھنے میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں، لیکن اس دیندار بادشاہ نے کچھ حساب کی آسانی پر خیال نہیں کیا، فقط آتش پرستوں اور مجوسیوں کی مشابہت کی وجہ سے نوروز کے جشن کو موقوف کیا اور جلوس ثانی کی تاریخ غرۂ رمضان مقرر کر کے اس نے جلوس کا نیا سال مقرر کیا، اور جشن نوروز کی جگہ جشن عید الفطر مقرر کیا۔"[3]

ایک بڑی سرکاری آمدنی کے ذریعہ کی جو نا مشروع تھی، موقوفی کا ذکر کرتے ہوئے مؤرخ لکھتا ہے:۔

---

[1] ایضاً ص ۴۶۵ [2] فروردی، اسفندار قدیم ایرانی تقویم کے مہینے ہیں۔ [3] ایضاً ص ۸۳-۸۴

"بادشاہ نے راہداری کی معافی کا حکم کیا، یہ راہداری ہر سرگذر و سرحد معتبر پر لی جاتی تھی، اور...
اس آمدنی کا سب روپیہ خزانہ میں داخل ہوتا تھا، پاندری جس کو تہ بازاری کہتے ہیں.....اور
یہ آمدنی لاکھوں روپئے سے زیادہ خزانۂ شاہی میں داخل ہوتی تھی، اور ابواب مشروع و نامشروع
مسکرات و خرابات خانہ و جرمانہ و شکرانہ وغیرہ وغیرہ جن کی آمدنی کا کروڑوں روپیہ خزانۂ سرکار میں
داخل ہوتا تھا، ان سب کو قلمرو ہندوستان سے معاف کرایا"[1]

محتسب کا عہدہ شرعی حکومتوں کا ایک اہم عہدہ اور خلافت اسلامی کا ایک شعار تھا، بہت سے علماء نے اس عہدہ کی نوعیت، اس کے فرائض پر "الحسبۃ فی الاسلام" کے نام سے کتابیں لکھی ہیں، ہندوستان کی مسلم سلطنتوں میں عرصہ سے یہ عہدہ موقوف اور یہ کام معطل تھا، بادشاہ نے اس سنت کو بھی زندہ کیا، مؤرخ لکھتا ہے:۔

"بادشاہ نے ایک عالم عوض وجیہ کو محتسب مقرر کیا، اس کو حکم تھا، کہ وہ خلق کو منہیات و
محرمات سے خصوصاً شرب خمر اور بنگ بوزہ اور تمام مسکرات و فواحش سے منع کرے، اور
حتی المقدور بُرے کاموں سے خلق کو روکے"[2]

سال یازدہم لغایۃ بیست و یکم ۱۰۷۸ھ کے واقعات درج کرتے ہوئے مؤرخ لکھتا ہے:۔

"روز بروز امور شرعی کے اجراء اور اوامر و نواہی الٰہی کی پاسداری میں بادشاہ کی تقید بڑھتی جاتی
تھی، مفصل احکام جاری ہوتے تھے کہ راہداری و پاندری وغیرہ موقوف کی جائے جس سے لاکھوں
روپئے کی آمدنی ہر سال سرکار کو حاصل ہوتی تھی[3]، وہ مسکرات کے رواج و خرابات خانوں کو
موقوف کرتا تھا"

---

[1] ایضاً ص۹۰ [2] ایضاً ص۹۲ [3] صاحبِ "نزہۃ الخواطر" نے فارسی تاریخوں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عالمگیر نے ۱۰۶۹ھ میں ۸۰ قسم کے ناجائز محاصل (ٹیکس) موقوف کردیئے جس سے خزانہ شاہی کو تیس لاکھ سالانہ کی آمدنی ہوتی تھی۔

آگے چل کر لکھتا ہے :۔

"بادشاہ نے سرِدور قاضی کے منع کا حکم صادر کیا..... جھروکہ درشن کو بھی نامشروع جان کر جھروکہ میں خود بیٹھنا اور جھروکہ کے نیچے آدمیوں کے جمع ہونے کو موقوف کر دیا۔"[1]

اہل ہند کے قدیم دستور و اعتقاد کے مطابق مسلمان بادشاہ بھی علم نجوم اور منجموں پر بہت زیادہ اعتبار کرتے تھے، اور انھیں کے حسابات اور فیصلوں کے مطابق کاموں کے لئے دن مقرر کرتے تھے، عالمگیر نے اس کو بھی موقوف کیا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عدالتی فیصلوں کا تمام تر انحصار امراء و حکام کی عدالتوں اور ان کے فیصلوں پر تھا، عالمگیر نے شرعی قاضی مقرر کئے، اور ان کو اعلیٰ اختیارات دیئے۔

"شاعر و منجم جو بہت زیادہ اعتبار رکھتے تھے، خصوصاً شاہجہاں کے عہد میں موقوف ہوئے، امور ملکی و مقدمات جزئی و کلی میں قضاۃ مقرر ہوئے، اور وہ ایسے مستقل ہوئے کہ امیران عہدہ صاحب مدار سلطنت کو ان پر رشک و حسد ہوا۔"[2]

پوری سلطنت میں شرعی قانون و آئین جاری کرنے کے لئے اور قضاۃ کی آسانی کے لئے مسائل فقہیہ کی تدوین و ترتیب کا نیا بیڑہ اٹھایا، اور مستند علماء کی ایک جماعت کو اس کے لئے مامور کیا کہ وہ آسان عبارت میں مسائل جزئیہ کو ایک جگہ جمع کر دیں، اور ظاہر الروایہ پر اکتفا کریں، اور سوائے خاص حالات کے "نوادر" کی طرف توجہ نہ دیں، اور جو عبارت جہاں سے لی جائے اس کا حوالہ دیں، اس کے لئے اوائل سلطنت ہی میں مولانا نظام الدین برہانپوری کو ذمہ دار بنایا، انھوں نے ان علمائے کبار سے مدد لی جو فقہ حنفی میں

---

[1] ایضاً ص ۲۷۵-۲۷۶ باختصار [2] ایضاً ص ۲۷۷ نیز ملاحظہ ہو ظہیر الدین فاروقی صاحب کی کتاب "اورنگ زیب" کا باب AREFORMER ص ۵۵۹-۵۶۲

امتیاز رکھتے تھے[1]، یہ کام ۶ جلدوں میں مکمل ہوا اور اس پر شاہی خزانے کے دو لاکھ روپئے (جو اس زمانے کے لحاظ سے خطیر رقم ہے) صرف ہوئے، یہ ہندوستان میں "فتاویٰ عالمگیری" کے نام سے، اور مصر و شام و ترکی میں "الفتاوی الھندیہ" کے نام سے مشہور ہے، اور اس کو بعض خصوصیات کی بنا پر بڑی اہمیت حاصل ہے۔

اس سے زیادہ جرأت مندانہ اقدام یہ تھا کہ بادشاہ نے اپنے خلاف بھی رعیت کو استغاثہ کرنے اور شریعت کے مطابق فیصلہ کرانے کی اجازت دی اور اس کام کے لئے وکیل شرعی مقرر کئے، مؤرخ ہندوستان لکھتا ہے:۔

"۱۰۸۲ھ میں بادشاہ نے حکم فرمایا کہ حضور میں اور شہروں میں منادی کریں کہ جس کسی کا دعویٰ شرعی بادشاہ پر ہو وہ حاضر ہو کر وکیل بادشاہ سے رجوع کرے، اور اثبات کے بعد اپنا حق لے لے، اور حکم دیا کہ بادشاہ کی طرف سے وکیل شرعی حضور میں اور بلاد نزدیک و دور میں مقرر ہو، تاکہ جو حضور میں آنے کی دسترس نہیں رکھتے وہ ان کے ذریعہ سے اپنی حق رسی کا دعویٰ کریں[2]"

مغل دربار میں اور شاہان مغلیہ کے لئے عام طور پر کورنش و آداب کے طریقے رائج تھے، جن میں مبالغہ آمیز تعظیم اور خلاف شریعت اعمال شامل تھے، سلام مسنون کا تو درباروں کا کیا ذکر امراء و رؤساء بلکہ بہت سے علماء و مشائخ کی مجلسوں میں بھی رواج نہیں رہا تھا، بادشاہ نے اس کی بھی اصلاح فرمائی، اور سلام مسنون پر اکتفا کرنے کی تاکید کی، مؤرخ لکھتا ہے:۔

---

[1] مولانا حکیم سید عبدالحی مصنف "نزہۃ الخواطر" نے اپنی گرانقدر کتاب "الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند" میں بڑی تحقیق و تلاش سے ان لوگوں کے نام جمع کئے ہیں، جو علماء کے اس بورڈ میں شامل تھے، انھوں نے بیس[۲۰] ایسے نام لکھے ہیں جو پورے ہندوستان کے علمی حلقے کی نمائندگی کرتے تھے، ملاحظہ ہو "الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند" مطبوعہ دمشق اکیڈمی ص ۱۱۰-۱۱۱

[2] ایضاً ص ۳۰۰

"انھیں دنوں میں حکم ہوا کہ جب مسلمان بادشاہ سے ملاقات کریں تو سلام شرعی سلام علیک پر اکتفا کریں کفار کی طرح سر پر ہاتھ نہ رکھیں، حکام بھی خاص و عام کے ساتھ یہی طریقہ برتیں"[1]

انھیں جذبات و اقدامات کی بنا پر ہندوستان کے دینی حلقوں نے بادشاہ عالمگیر کو "محی الدین" کا لقب دیا، علامہ اقبال کے نزدیک بھی (جن کی ہندوستان کے رجحانات اور فلسفوں اور ویدانت اور شریعت کی صف آرائی، اور ہندوستان کے مستقبل کی صورت گری میں قسمت آزمائی پر گہری نظر تھی) عالمگیر کا شمار ان چند شخصیتوں میں تھا جن کے سر اس ملک میں اسلام کی حفاظت کا سہرا ہے، راقم سطور نے اپنی ایک طویل ملاقات کی (جو ۲۲ نومبر ۱۹۳۷ء کو لاہور میں ان کے دولت خانہ پر ہوئی تھی) روداد قلمبند کرتے ہوئے اپنے مضمون "عارف ہندی کی خدمت میں چند گھنٹے" میں لکھا تھا:۔

"ہندوستان میں اسلام کے تجدید و احیاء کی بات نکلی تو علامہ نے مجدد الف ثانیؒ حضرت شیخ احمد سرہندی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، اور سلطان محی الدین عالمگیر کی بڑی تعریف کی، اور فرمایا کہ میں ہمیشہ کہتا ہوں کہ اگر ان کا وجود اور ان کی جد و جہد نہ ہوتی تو ہندو تہذیب و فلسفہ اسلام کو اپنے اندر تحلیل کر لیتے"

انھوں نے اسی یقین و تحقیق کی بنا پر عالمگیر کی شان میں حسب ذیل پر جوش اور فکر انگیز شعر کہے ؎

شاہ عالمگیر گردوں آستاں — اعتبار دودمان گورگاں
پایۂ اسلامیاں برتر ازو — احترام شرع پیغمبر ازو
درمیانِ کارزار کفر و دیں — ترکش ما را خدنگ آخریں
تخم الحادے کہ اکبر پرورید — باز اندر فطرت دارا دمید

[1] عالمگیر کے کھلے ہوئے دینی رجحان اور مملکت میں دور رس تبدیلیوں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو جادوناتھ سرکار کی کتاب AURANGZIB (OXFORD) P. 64-66 نیز اسٹینلی لین پول کی کتاب - HISTORY OF AURANGZIB VOL III PP. 81-90

شمع دل درسینہ ہا روشن نبود　　ملت ما از فساد ایمن نبود
حق گزید از ہند عالمگیر را　　آں فقیرِ صاحب شمشیر را
از پئے احیائے دیں مامور کرد　　بہر تجدید یقیں مامور کرد
برق تیغش خرمن الحاد سوخت　　شمع دیں در محفل ما بر فروخت
کور ذوقاں داستانہا ساختند　　وسعت ادراک او نشناختند
شعلۂ توحید را پروانہ بود　　چوں براہیم اندریں بتخانہ بود

درصفِ شاہنشہاں یکتاستے
فقر او از تربتش پیداستے[1]

بالآخر حضرت مجدد کے دو خلیفۂ اجل اور جانشین برحق، حضرت خواجہ محمد معصوم اور حضرت سید آدم بنوری اور ان کے مخلص و باعظمت خلفاء اور جانشینوں کی کوششیں اس ملک میں بارآور ہوئیں اور رفتہ رفتہ بارہویں صدی ہجری میں یہ ملک پوری دنیائے اسلام (جس پر فکری و علمی اضمحلال کے بادل چھائے ہوئے تھے) کا روحانی و علمی مرکز بن گیا، اور دنیائے اسلام کے دور دراز گوشوں سے لوگ یہاں اپنی روحانی و علمی پیاس بجھانے، تزکیہ و احسان کی منزلیں طے کرنے اور حدیث کا درس لینے کے لئے آنے لگے، یہاں جا بجا مجددی خانقاہیں اور کتاب و سنت کی تعلیم اور درس حدیث کے مرکز قائم ہو گئے، اور ایک عالم نے ان سے فیض اٹھایا۔

---

[1] رموز بیخودی کلیات فارسی ص ۹۸

حضرت مجدّد کی مخالفت و تضلیل کی تحریک
اور اس کے نمایاں افراد

یہ باب نامکمل رہے گا اور ناظرین کے سامنے صرف ایک ہی پہلو آئے گا (جو اگرچہ بہت درخشاں اور روشن ہے، اور مجدد صاحب کی سیرت و تاریخ میں یہی پہلو غالب اور نمایاں ہو کر رہا) اگر ہم اس مخالفانہ تحریک اور مہم کا ذکر نہ کریں، جو مجدد صاحب کی زندگی کے آخری دور ہی میں شروع ہو گئی تھی، اور جو ہندوستان کے حدود سے متجاوز ہو کر حرمین شریفین تک پہونچی، اور جس کی بنیاد مجدد صاحب کی بعض تحریرات، اور مکتوبات کی بعض عبارتوں اور مضامین پر تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد صاحب کو ان کی زندگی میں جو قبول عام اور مرجعیت تام عطا فرمائی، اور ان کا اہل ذکر و علم سے لے کر اہل حکومت تک پر جو اثر قائم ہوا، اور چند سال کے عرصہ میں سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کو ہندوستان اور بیرونِ ہند میں جو فروغ نصیب ہوا، نیز انھوں نے جن نئے علوم و تحقیقات کا اپنے مکتوبات اور مجالس کے ذریعہ افاضہ فرمایا، جن میں سے بہت سے عوام تو عوام خواص کے لئے بھی نامانوس اور ایک حد تک (اگر موجب وحشت نہیں تو) موجب حیرت ضرور تھے، اور ان میں بہت سے ان حلقوں کے مسلّمات کے خلاف

تھے، جو نسل در نسل منتقل ہوتے چلے آرہے تھے، اور یہ معاملہ اکثر ان نادرۂ روزگار شخصیتوں کے ساتھ پیش آیا ہے، جو کسی علم وفن کی مجتہد، اور کسی سلسلۂ وطریق کی بانی، اور اپنے زمانہ کی عام علمی ذہنی وباطنی سطح سے بلند ہوتی ہیں، اور جن کو اللہ تعالیٰ علوم وکمالاتِ وہبی سے نوازتا ہے، اور وہ عام اصطلاحات اور قدیم تعبیرات کے دائرہ سے باہر قدم نکالتی ہیں، پھر آپ نے بدعتِ حسنہ کے خلاف جو قلمی جہاد شروع فرمایا، مشائخ کے لئے سجدۂ تعظیمی، وجد وسماع، لفظی طور پر نماز کی نیت کرنے، جماعت کے ساتھ نماز تہجد ادا کرنے اور محفل میلاد کی مخالفت کی، یا مکاشفات کے حجت نہ ہونے اور مشائخ طرق واولیائے کبار کے بجائے ائمۂ مجتہدین کے قول کے حجت ہونے کو ثابت کیا، اور کشف کی صحت وقطعیت میں کلام کیا، اور اپنے عہد ودیار کے بہت سے سلسلوں اور خانقاہوں کے مروجہ اور متعارف معمولات کے مخالف سنت ہونے کو ظاہر کیا، پھر اس سب سے بڑھ کر وحدۃ الوجود سے (جس کو ایک بدیہی حقیقت اور محققین صوفیہ کا ایک اجماعی مسئلہ سمجھا جاتا تھا) اور شیخ اکبر کے علوم وتحقیقات سے جن کو علم ومعرفت کا "سدرۃ المنتہیٰ" قرار دیا گیا تھا، قدم آگے بڑھایا، اور اس کے متوازی وحدۃ الشہود کا نظریہ پیش کیا، اس کے بعد آپ کے بارے میں زبانوں اور قلموں کا یکسر خاموش رہنا، اور کسی مخالفانہ اور تردیدی بلکہ تضلیلی تحریک ومہم کا آپ کے آخر زمانہ میں یا آپ کے ارتحال کے فوراً بعد پیدا نہ ہونا، نہ صرف تاریخ اصلاح وتجدید، بلکہ تاریخ علم وتدوین کا بھی ایک نادر واقعہ ہوتا۔

ان اختلافات یا مخالفتوں کو ہم دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں، ایک وہ مخالفت جو مخالفین کی کسی غلط بیانی کی بنیاد پر، یا کسی غلط فہمی کے نتیجہ میں پیدا ہوئی، اور اس غلط بیانی اور سازش کا پردہ چاک ہونے، یا اس غلط فہمی کے دور ہو جانے کے بعد رفع ہو گئی، دوسری وہ مخالفت جو اختلافِ عقیدہ ومسلک، یا کسی عصبیت یا ذاتی عناد پر مبنی تھی۔

پہلی قسم میں ہم حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) کے اختلاف کو لیتے ہیں، جن کا علمی و دینی پایہ، خلوص و للّٰہیت، اور دینی حمیت مسلّم ہے، اور جو حضرت مجدد کے پیر بھائی بھی تھے، اور اپنے پیر کے خلیفہ و مجاز بھی، انھوں نے حضرت مجدد سے اختلاف کیا، ان کے بعض اقوال و تحقیقات پر سخت حیرت اور وحشت کا اظہار کیا، اور ایک مکتوب میں جو حضرت مجدد کے نام ہے، اس کا برملا اظہار بھی کر دیا[1] حضرت شیخ عبدالحق کے اس طویل مکتوب میں حضرت مجدد کی جو باتیں نقل کی گئی ہیں، ان کے بارے میں مجددی سلسلہ کے بہت سے اہل علم و اہل نظر کی تحقیق ہے کہ وہ محرّف اور غلط ہیں، یہ ایک نجی مکتوب تھا، حضرت شیخ نے اس کو اپنی کتاب "المکاتیب والرسائل" میں درج نہیں کیا، حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کے ارشاد کے مطابق شیخ نے اس مکتوب کو ضائع کرنے کی وصیت کی۔

اس مکتوب کی تحریر میں اصلاً جو جذبہ کام کر رہا ہے (اور وہ فی ذاتہ محمود ہے) وہ شیخ کا یہ خیال ہے کہ مجدد صاحب کے بعض اقوال و تحقیقات سے بعض ایسے بزرگوں کی تنقیص اور تخطیہ کا پہلو نکلتا ہے، جن کی جلالت قدر پر امت کا اتفاق ہے، لیکن اس کا مکتوبات کے غوّاص و شارح اور حضرت مجدد صاحب کے مقاصد کے رمز آشنا بارہا جواب دے چکے ہیں، اور خود مکتوبات کا مطالعہ اور حضرت مجدد کی زندگی اس کی تردید کرتی ہے، اس مکتوب کا

---

[1] یہ مکتوب پروفیسر خلیق احمد نظامی کی کتاب "حیات شیخ عبدالحقؒ" کے آخر میں مکمل طریقہ پر درج ہے، ملاحظہ ہو صـ ۳۱۲-۳۴۴، اس مکتوب کے جواب میں بکثرت رسالے لکھے گئے، جن میں شیخ بدرالدین سرہندیؒ، شیخ محمد یحییٰؒ (فرزند اصغر حضرت مجدد) شیخ محمد فرخؒ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اور حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ کا نام لیا جا سکتا ہے، مولانا وکیل احمد سکندرپوری نے "ہدیۂ مجددیہ" کے نام سے ایک مستقل کتاب اسی کے رد میں لکھی ہے جو ۳۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

ایک بڑا محرک حضرت شیخ کی سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے ساتھ وہ یگانہ عقیدت بھی ہے، جو عشق و فنائیت کے درجہ تک پہونچی ہوئی تھی، اور وہ ہر طرح سے نہ صرف قابلِ تحسین بلکہ قابلِ رشک ہے، اور اس میں امت کا ایک بڑا طبقہ ہر عہد و ملک میں ان کا شریک ہے، حضرت شیخ کا خیال ہے کہ حضرت مجدد صاحب کے کلام سے ان پر ـــــ اپنی ترجیح ثابت ہوتی ہے، اس کا بھی ان تردیدی رسائل میں تشفی بخش جواب دیا جا چکا ہے، یہاں اس مکتوب کے مختلف اجزا اور مشتملات کا تفصیلی جائزہ لینا مقصود نہیں، اس کے لئے ان رسائل کی طرف مراجعت کرنے کی ضرورت ہے، جن کا اوپر تذکرہ ہوا، اس مکتوب میں حضرت مجدد کی طرف بعض ایسے اقوال منسوب کئے گئے ہیں، جو بداہتہً بے اصل ہیں، اور معاندین کی افترا پردازی ہے، حیرت ہوتی ہے کہ حضرت شیخ نے ان کو کیسے باور کیا اور مکتوب میں درج فرمایا، حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے قلم سے جو مجسم وقار و سکینت تھے، اسی بنا پر اس طرح کی عبارتوں کو نقل کرنے کے بعد بے اختیار نکل گیا ہے۔

"العیاذ باللہ ایں چہ خلاف نویسی است، وایں چہ بے تحقیق گوئی است، در ہیچ مکتوب ایشاں ایں چنیں عبارت نیست یا شیخ عفا اللہ عنک" (پناہ بخدا! یہ کیا بے اصل و بے تحقیق کلام ہے، (حضرت مجدد کے) کسی مکتوب میں اس طرح کی عبارت نہیں، حضرت شیخ! اللہ آپ کو معاف کرے!)۔

لیکن چونکہ حضرت شیخ مخلص تھے، اور ان کے قلم سے ان اقوال و بیانات پر جو حضرت مجدد کی طرف منسوب کئے گئے تھے، جس تحیّر و تاثر کا اظہار ہوا، اس کی محرک ان کی دینی حمیت اور علمی مقام تھا، اس لئے جب ان کو اس غلط بیانی کا علم ہوا، حضرت مجدد کے بارے میں غلط فہمی رفع ہوئی، اور آپ کا علوئے مقام اُن پر منکشف ہوا تو انھوں نے اس کی

تلافی کرنے میں قطعاً تقصیر و تاخیر سے کام نہیں لیا، اور بڑے بلند الفاظ میں حضرت مجدد کے ساتھ خلوص و محبت کا اظہار کیا، جو ان کے جیسے عالم ربّانی ہی کے شایان شان ہے، انھوں نے حضرت خواجہ حسام الدین احمد دہلوی کو حسب ذیل مکتوب تحریر فرمایا:۔

سلمکم اللہ وأبقاکم علی رؤس المحبین
الطالبین المخلصین دریں دو سہ روزہ
کہ از احوال شریف خبر نہ گرفت یا
بہ جہت تقصیرے کہ در جبلت بشر است
یا بہ قصد آں کہ مطلقاً از آلائش ضعف
و فترت پاک شدہ باشند تا بہ خبر مسرت
اثر صحت کلی و عافیت تام مشرف
و مسرور گردد و امید کہ بہ اعلام
آں مشرف گردانند۔

دیدۂ محبت در راہ انتظار وصول
اخبار مسرت آثار بندگی حضرت میاں
شیخ احمد دوچار است، امید وار است کہ
دعائے محبان بہ اجابت رسید و اثر عظیم
آرد، نسبت ایں فقیر در ایں ایام و
صفائے باطن بہ خدمت ایشاں از
حد متجاوز است و اصلاً پردۂ بشریت

اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت اور چاہنے
والے مخلص طالبوں کے سروں پر باقی
رکھے، اس دو تین دن کے عرصہ میں آپ کے
احوال شریفہ کی خبر نہ معلوم کرنے کی وجہ
یا تو وہ کوتاہی ہو سکتی ہے، جو انسان کی
فطرت میں ہے، یا پھر وہ ارادہ ہو سکتا
ہے کہ کامل صحت ہو جائے اور پھر
خبر مسرت سننے میں آئے، امید ہے کہ
صحت کی خبر سے آگاہ کریں گے۔
بندگی حضرت میاں شیخ احمد کے اخبار
مسرت آثار پر چشم شوق لگی ہوئی ہے،
امید ہے چاہنے والوں کی دعا قبول ہو،
بڑا اثر پیدا کرے گی، آج کل ان سے
فقیر کا قلبی تعلق بے حد زیادہ ہے،
بشریت کا کوئی پردہ یا افتاد طبع کا
کوئی اثر بالکل حائل نہیں رہا، میں خود

وغشاوۂ جبلت درمیان نہ ماندہ نہ می
داند کہ از کجا است باقطع نظر از رعایت
طریقۂ انصاف وحکم عقل کہ بہ این چنیں
عزیزان وبزرگان بد نہ باید بود، ودر
باطن بہ طریق ذوق ووجدان وغلبہ
—— چیزے افتادہ است کہ زبان
از تقریر آں لال است، سبحان اللہ
مقلب القلوب، ومبدل الاحوال شاید
کہ ظاہر بینان دریں جا استبعاد کنند،
من نمی دانم کہ حال چیست وبہ چہ
منوال است، زیادہ چہ گوید وچہ
نویسد" واللہ اعلم بحقیقۃ الحال"[1]

نہیں جانتا کہ یہ کس بناء پر ہے۔
اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ طریقۂ
انصاف کی رعایت اور حکم عقل کا
تقاضا ہے کہ ایسے عزیزوں اور
بزرگوں کے ساتھ بُرا گمان نہ ہونا چاہئے،
میرے دل میں ذوق ووجدان اور
غلبہ کی بناء پر کچھ ایسی کیفیت پیدا
ہوگئی ہے کہ اس کے بیان سے زبان
قاصر ہے، پاک ہے اللہ دلوں کا پلٹنے
اور احوال کا بدلنے والا، ظاہر بین شاید
اس پر یقین نہ کریں، میں خود بھی نہیں
جانتا کہ کیا حال ہے، اور کیوں ہے،
زیادہ کیا کہوں، اور کیا لکھوں،
حقیقت حال کا پورا علم اللہ کو ہے۔

دوسری قسم میں سے ہم سب سے پہلے بارہویں صدی کے ایک حجازی عالم شیخ حسن عجیمی ثم المکی (جو مدینہ منورہ میں حدیث کا درس دیتے تھے، اور اس عہد کے مشہور حنفی عالم تھے، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے استاد حدیث شیخ ابو طاہر کُردی کے اُستاد تھے)[2] کی کتاب

---

[1] بشارات مظہریہ، از شاہ نعیم اللہ بہرائچی، مخطوط کتب خانہ ندوۃ العلماء ۱۲۸۱ھ
[2] حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے "انفاس العارفین" میں ان کا ذکر کیا ہے، لکھا ہے کہ وہ حدیث میں شیخ کا درجہ رکھتے تھے، مختلف علوم اور دقائق میں دخل

(باقی صفحہ ۳۴۱ پر)

"اتمام الہندی[1] فی جواب سؤال عن کلمات السرھندی" پر ایک نظر ڈالتے ہیں، اس کتاب کی تمہید میں کہا گیا ہے کہ ہندوستان سے حرمین شریفین میں ۱۰۹۳ھ میں شیخ احمد سرہندی اور ان کے ان بعض نامناسب کلمات کے بارے میں جو ان کے مکتوبات سے نقل کئے گئے ہیں، ایک سوال آیا، اور علمائے حرمین شریفین سے استفتاء کیا گیا کہ جو ایسے کلمات کو اپنی زبان سے نکالے، یا ان پر اس کا اعتقاد ہو، یا وہ ان کی ترویج و اشاعت میں حصہ لے، اس کا حکم شرعی کیا ہے؟ اس کے بعد جامع کتاب نے لکھا ہے کہ میرے قابلِ احترام استاد و شیخ مولانا الشیخ ملا ابراہیم بن حسن کورانی نے مجھے ہدایت کی کہ میں اس کا جواب دوں، اور علمائے حرمین کی اِس بارے میں رائے اور فتوے نقل کروں، مؤلف کتاب نے اس مجموعہ میں دو عالموں ایک مذکور الصدر ملا ابراہیم کورانی مدنی، دوسرے علامہ جمال الدین محمد ابن عبدالرسول البرزنجی کے

(باقی صفحہ ۳۴۰ کا) رکھتے، فصیح اللسان اور قوی الحافظہ تھے، ان کی زیادہ تر صحبت و استفادہ شیخ عیسیٰ مغربی سے ہے، شیخ احمد قشاشی، شیخ محمد بن العلاء بابلی، اور شیخ زین العابدین ابن عبدالقادر طبری مفتی شافعیہ کی بھی صحبت اٹھائے ہوئے تھے، شاہ نعمت اللہ قادری جیسے اہل طرق سے بھی ملاقات کی تھی، اور دعوت اسماء کا بھی شغل رہا تھا، ان کے درس حدیث میں شاہ ولی اللہ صاحب کے استاد شیخ ابو طاہر کردی مدنی عام طور سے قاری ہوتے تھے، آخر عمر میں مکہ کی سکونت موقوف کر کے طائف میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی، وہیں ۱۱۱۳ھ میں وفات پائی، اور سیدنا عبداللہ بن عباس کے قریب جگہ پائی (انفاس العارفین ص۱۸۶-۱۸۷) خیر الدین الزرکلی نے "الاعلام" میں ان کو العجیمی لکھا ہے، والد کا نام علی بن یحییٰ تھا، ابو البقاء کنیت تھی، یمانی الاصل ہیں، ۱۰۴۹ھ میں ولادت ہوئی۔ (جلد ۲۔ ص۲۲۳)

[1] عربی مخطوطہ خدا بخش خاں لائبریری بانکی پور پٹنہ نمبر ۲۷۵۳۔ یہ کتاب ۱۰۹۴ھ میں مکمل ہوئی خدا بخش خاں لائبریری کا مخطوطہ نسخہ مصنف کے نسخہ سے شیخ سلیمان جیتوانے نقل کیا اس لئے وہ ہر طرح قابل اعتبار ہے

یہ کتاب کتب خانۂ آصفیہ کے مخطوطات میں بھی موجود ہے (شامل کتاب قدح الزند نمبر ۲۲۴ فن کلام ورق ۸) لیکن (باقی ص۳۴۲ پر)

فتاویٰ نقل کئے ہیں۔

سب سے پہلے اس استفتاء کے دو مجیب ملا ابراہیم کورانی مدنی، اور جمال الدین محمد ابن عبدالرسول برزنجی کی شخصیت سے واقفیت کی ضرورت ہے، اول الذکر کا تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے "انفاس العارفین" (صفحہ ۱۸۴-۱۸۶) پر کیا ہے، یہ شاہ ولی اللہ صاحب کے اصل استادِ حدیث شیخ ابوطاہر کردی کے والد اور شیخ ہیں، اس زمانہ کے ایک شیخ اور بزرگ شیخ یحییٰ شاوی کے بارے میں ان کی اس رائے سے جو شاہ ولی اللہ صاحب نے ذکر کی ہے، اور جس میں شیخ نے ان پر تجسیم کا فتویٰ صادر کیا، اور جس کی وجہ سے وزیر سلطنتِ ترکی نے جو ان کا معتقد تھا، ان کو اہانت کے ساتھ مجلس سے نکالدیا، اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ ان کے مزاج میں کسی قدر خشونت، اور رائے قائم کرنے میں عجلت تھی، سید محمد برزنجی[1] جو اس مجموعہ کے دوسرے مفتی ہیں، کا تذکرہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ "فی الجملہ یُبس مزاج داشت" (ص۱۸۴)، (مزاج میں کسی قدر خشکی تھی)۔

(باقی صفحہ ۳۴۱ کا) اس کا نام صرف "العصب الهندی" سرورق پر درج ہے مصنف کے قلم سے کتاب کے نام کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

کتب خانۂ آصفیہ کے مخطوطات میں اس موضوع (حضرت مجدد کے اقوال وتحقیقات کی تردید) پر دو اور کتابیں پائی جاتی ہیں:-

۱- قدح الزند وفدح الرند فی رد ضلالات أهل سرهند للسید محمد البرزنجی (نمبر کتاب ۲۲۴ فن کلام ورق ۳۴)

۲- الناشرة الناجرة للفرقة الناصره للكلمات الفاجره للسید محمد البرزنجی (نمبر ۲۲۳ فن کلام ورق ۲۶ کتابت ۱۰۹۵ھ)

[1] سید محمد برزنجی ان کا پورا نام محمد بن عبدالرسول ابن عبدالسید الحسنی البرزنجی ہے، ۱۰۴۰ھ میں ولادت اور ۱۱۰۳ھ میں وفات پائی، شہر زور میں ولادت ہوئی، آخر میں مدینہ طیبہ میں قیام اختیار کرلیا تھا، ان کی ایک کتاب "حل مشکلات ابن العربی" بھی ہے، یہ وہ برزنجی نہیں ہیں، جن کا مولود دیار عرب میں مشہور ہے، (الأعلام للزرکلی۔ جلد ۷، ص۷۵) مجدد صاحب کی تردید میں ان کی مستقل کتاب "قدح الزند" بھی ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "المختصر من کتاب نثر النور والزهر" جزء اول تالیف الشیخ عبداللہ مراد ابوالخیر۔

اس سب کے بعد فتاویٰ اور علماء کے آراء، اور حکم شرعی کے بیان واعلان کی تاریخ میں اس تاریخی حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ علماء اور اہل افتاء کے سامنے واقعہ کی جیسی صورت بیان کی جاتی ہے، اور جس طرح کے منقولات واقتباسات پیش کئے جاتے ہیں، انھیں کو سامنے رکھ کر، اور انھیں کے پیشِ نظر فتویٰ صادر کیا جاتا اور حکم شرعی بیان کیا جاتا ہے، مثل مشہور ہے "تنہا پیش قاضی روی راضی بیائی" (اکیلے قاضی صاحب کے پاس چلے جاؤ، اور اپنے مطلب کا فتویٰ لکھوا کر آجاؤ) یہ علماء واہل افتاء نہ اس بات کے مکلف ہوتے ہیں، اور نہ ان کے پاس اتنا وقت ہوتا ہے کہ وہ ان اقوال وبیانات کے سیاق وسباق کو دیکھیں، اور اس کی تصدیق کریں کہ یہ نقول صحیح ہیں، اور ان کو سیاق وسباق سے علیٰحدہ کرکے "لا تقربوا الصلوٰۃ" کے مشہور عوام لطیفہ کے مطابق اپنی تائید میں نہیں پیش کیا گیا ہے، اس بات کے پورے قرائن موجود ہیں کہ جواب تحریر کرنے والے حضرات نے مکتوبات کا براہ راست مطالعہ نہیں کیا ہوگا، اور نہ ان کو درس وافتاء سے اتنی فرصت ملی ہوگی، کہ وہ مزید اس کی تحقیق کرتے، نیز اس وقت حرمین شریفین میں اس سلسلہ کے ایسے اہل علم حضرات بھی موجود نہیں رہے ہوں گے، جو حقیقت حال سے آگاہ کرسکتے.

جہاں تک مستفتی کے فہم وامانت اور احساس ذمہ داری کا تعلق ہے، اس کے لئے صرف ایک ہی مثال کافی ہے کہ حضرت مجدد نے حقیقت کعبہ کے بارے میں جو دقیق عارفانہ کلام کیا ہے، اس کو اس بات پر محمول کیا گیا ہے کہ آپ اس بات کے قائل ہیں کہ موجودہ معروف عمارت کعبہ نہیں ہے، اور یہ بات کفر کو مستلزم ہے. مصنف لکھتے ہیں:-

ومنها انكاره مما تواتر أن الكعبة هي البنية المعروفة وذلك كفر.	اور انھیں کفریات میں سے ان کا اس بات سے انکار کرنا ہے کہ کعبہ یہی موجودہ معروف عمارت ہے۔

اب اس کے مقابلہ میں اس مکتوب کو پڑھئے، جو شیخ تاج الدین سنبھلی کے نام ہے، جو تازہ تازہ حج بیت اللہ سے واپس آئے تھے، مجدد صاحب بیت اللہ شریف کے حالات سننے کے اشتیاق و بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"فقیر کے نزدیک جس طرح صورت کعبۂ ربانی خلائق کے صور و اجسام کے لئے (کیا بشر اور کیا ملک) مسجود الیہا ہے، اس کی حقیقت ان صور و اجسام کے حقائق کا بھی مسجود الیہا ہے، اس طرح یہ حقیقت تمام حقائق کے اوپر اور اس سے جو کمالات متعلق ہیں، ان تمام کمالات پر جو دوسرے حقائق سے متعلق ہیں، فوقیت رکھتی ہے، گویا یہ حقیقت حقائق کونی، اور حقائق الٰہی کے درمیان برزخ ہے[1]"

اس ایک مثال سے ان دانستہ یا نادانستہ فتویٰ تکفیر کی حقیقت و ماہیت کا اندازہ ہو سکتا ہے، جو ان نقول و اقتباسات پر جاری کیا گیا ہے، اس کے باوجود بھی مصنف نے آخر میں یہ احتیاط کی ہے کہ لکھا ہے :-

"یہ بھی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان اقوال کے قائل اور ان تحریرات کے لکھنے والے پر فضل فرمایا ہو، اور ان کا خاتمہ بالخیر ہوا ہو، جیسا کہ اس کا معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ رہا ہے، اور اس کی شانِ کریمی کا بارہا اظہار ہوا ہے، اور اس کا ایک یہ بھی قرینہ ہے کہ ان کی صلبی اولاد میں سے بعض حضرات جب حرمین شریفین حاضر ہوئے، تو انھوں نے حدیث کی سند لینے کا شوق ظاہر کیا، اور انھوں نے بتایا کہ ان کے طریقہ کی بنیاد اتباع سنت محمدی، اور نقش قدم نبوی پر چلنے پر ہے، انھوں نے مشائخ حدیث مثلاً امام زین العابدین طبری سے حدیث کی سند لی، اور ہمارے شیخ عیسیٰ محمد بن المغربی جعفری کو ایسا مطمئن و مانوس کیا کہ انھوں نے

---

[1] مکتوب نمبر ۲۶۳ دفتر اول۔

شیخ محمد معصوم سے طریقۂ نقشبندیہ کی تحصیل کی تاکہ ان کو اس کے عالی مرتبہ مشائخ کی برکت حاصل ہو۔"[1]

مصنف کے اس بیان سے جو انھوں نے ازراہ دیانت درج کیا ہے، صاف طریقہ پر اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ یہ فتاویٰ محض ان نقول کے اعتماد پر لکھے گئے تھے، جو پیش کی گئیں، اور مفتی صاحبان خود ان کے بارے میں متردد تھے، مجددی خاندان کے عالی مرتبہ افراد کے حرمین شریفین میں حاضر ہونے اور خاص طور پر حضرت خواجہ محمد معصوم کی سیرت و اخلاق، اور احوال رفیعہ دیکھنے کے بعد نہ صرف یہ غلط فہمی رفع ہوگئی ہوگی، بلکہ خود مصنف کے ایک جلیل القدر شیخ عیسیٰ مغربی نے حضرت خواجہ محمد معصوم سے بیعت کی اور طریقۂ مجددیہ نقشبندیہ کی نسبت پیدا کی، شاہ ولی اللہ صاحب نے "انفاس العارفین" میں ان کی تعریف کی ہے، اور لکھا ہے کہ:۔

"بالجملہ یکے از علمائے متقنین بود و وے استاد جمہور اہل حرمین است و یکے از اوعیۂ حدیث و قراءت، سید عمر باحسن بہ حق وے، گفتی" من أراد أن ینظر إلی شخص لا یشك فی ولایتہ فلینظر إلی ھذا۔"[2]

ترکستان کے ایک مجددی فاضل محمد بیگ الازبکی ان فتاویٰ کے بعد حجاز آئے، انھوں نے اپنی کتاب "عطیۃ الوھّاب، الفاصلۃ بین الخطأ و الصواب" لکھ کر یہ ثابت کیا کہ یہ فتاویٰ مکتوبات کی عبارتوں کے غلط تراجم پر مبنی ہیں، اور دانستہ ایسی تحریف کی گئی ہے، انھوں نے غلط ترجمہ کی متعدد مثالیں دیں، اس توضیح سے متاثر ہو کر بہت سے علماء نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا، اور بعض نے امام ربانی کی تائید و دفاع میں کتاب لکھی،

---

[1] الصارم الہندی (مخطوط) ص ۲

[2] انفاس العارفین ص ۱۸۳

ان میں حسن بن محمد مراد اللہ التونسی المکی بھی ہیں، جنھوں نے "العرف الندی فی نصرۃ الشیخ أحمد السرھندی" لکھی جس میں انھوں نے اس کا اظہار کیا ہے کہ حضرت مجدد کے خلاف جو مہم شروع کی گئی تھی، اس کی بنیاد غلط و محرف تراجم پر تھی، دوسرے صاحب احمد الشیشی المصری الشافعی الازہری ہیں، انھوں نے اس بات کا صفائی سے اظہار کیا ہے کہ حضرت مجدد کی تکفیر صرف تصوف کی اصطلاحات و نظریات کے صحیح طور پر نہ سمجھنے یا غلط سمجھنے کی بناء پر ہو سکتی ہے، جو انھوں نے استعمال کئے ہیں، محمد بیگ نے علمائے حجاز کے ساتھ اس موضوع پر مباحثے بھی کئے، اور رُو در رُو گفتگو اور مذاکرات بھی، جس کی وجہ سے البرزنجی کو اپنی کتاب "الناشرۃ الناجرۃ" _____ لکھنی پڑی جس میں محمد بیگ کا بڑے حقارت آمیز اور تجہیل کے ساتھ تذکرہ کیا گیا۔

ہندوستان میں حضرت مجدد صاحب کی مخالفت اور ان پر اعتراضات کی ایک قابلِ توجہ تاریخی دستاویز جو مخالفین و معترضین کی ذہنیت اور طرزِ فکر کی واضح ترجمانی اور اس گروہ کی کسی درجہ میں نمائندگی کرتی ہے، وہ شیخ عبداللہ خویشگی قصوری (۱۰۴۳ - ۱۱۰۶ھ) کی کتاب "معارج الولایۃ" ہے، جو ایک ضخیم تصنیف ہے[1]، عبداللہ خویشگی کے (جو اختصاراً عبدی کے نام سے بھی یاد کئے جاتے ہیں) حالات سے معلوم ہوتا ہے[2] کہ وہ کثیر التصانیف بزرگ ہیں، اپنے زمانہ کے مروجہ علوم میں دخل رکھتے ہیں، تصوف میں سلسلۂ چشتیہ سے ان کا تعلق ہے، اور ذوقاً و مشرباً وجودی ہیں، بلکہ اندازہ ہوتا ہے کہ وحدۃ الوجود میں ان کو غلو ہے،

---

[1] اس کتاب کے قلمی نسخہ کا راقم سطور نے پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی کے ذاتی کتب خانہ میں مطالعہ کیا ہے، معلوم ہوا کہ اس کا ایک نسخہ لاہور میں بھی ہے۔ [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری" تالیف محمد اقبال مجددی، شائع کردہ دار المؤرخین لاہور۔

ان کے اساتذہ اور معتقد فیہ اشخاص بھی زیادہ تر حضرت مجدد کے مخالفین اور وحدۃ الوجودی صوفیہ ہیں، اور ان میں سے بعض (مثلاً شیخ نعمت لاہوری اور قاضی نورالدین، قاضی قصور) مجدد صاحب کے فتوئ تکفیر پر دستخط کرنے والوں میں ہیں، ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ سید محمد برزنجی مؤلف "قدح الزند" کے متعلقین سے بھی متاثر ہوگئے ہیں، جو اورنگ آباد میں مقیم تھے[1]، جہاں ۱۰۹۶ھ میں خویشگی نے اس کتاب کی تکمیل کی ہے، اس کتاب کا ایک ماخذ اس عہد کی ایک دوسری تصنیف "کاسر المخالفین" ہے، جو حضرت مجدد اور آپ کے متبعین کے رد میں لکھی گئی تھی۔

قصوری کے طرز فکر اور مبلغ علم کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ انھوں نے مجدد صاحب کی قابلِ اعتراض چیزوں میں نماز کی زبان سے نیت نہ کرنے کو بھی شمار کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

چوں برائے تحریمۂ نماز برخاستے اغلب	جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے
اوقات نیت را بدل کردے وزبان را	اکثر اوقات دل سے نیت کرتے
ساکت گردانیدے و گفتے کہ رسول اللہ	زبان کو حرکت نہ دیتے اور کہتے کہ
صلے اللہ علیہ وسلم نیت بدل کردہ	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی
نہ بزبان، زیرا کہ نیت فعل قلب	یہی معمول تھا، کیونکہ نیت دل کا
است نہ فعل لسان۔	فعل ہے نہ کہ زبان کا۔

خویشگی نے مکتوبات کا مطالعہ کس نظر غائر سے کیا تھا، اور ان کے اندر کس درجہ میں ذمہ داری کا احساس اور کسی کی طرف اقوال وخیالات کی نسبت کرنے میں کتنی احتیاط تھی، اس کا اندازہ ان کی اس عبارت سے ہوسکتا ہے:۔

[1] اندازہ ہوتا ہے کہ اورنگ آباد گیارہویں صدی کے آخر میں اس تحریک مخالفت کا بڑا مرکز تھا، اور وہیں سے یہ مسئلہ حجاز پہونچا۔

بعض مشائخ متقدمین ہر کہ قائل
بہ وحدۃ وجود شدہ چنانچہ حسین
منصور، و شیخ محی الدین عربی وامثال
آں اورا ملحد زندیق گفتہ در مکتوبات
خود کہ مجلد بسہ مجلد است، در اکثر
مواضع شیخ محی الدین عربی را تکفیر
نمودہ و در بعضے محال نسبتِ مذاہب
اعتزال بہ وے ثابت نمودہ، و بایں
ہمہ اورا از جملہ مقبولان شمردہ۔

مشائخ متقدمین میں سے جو لوگ
وحدۃ الوجود کے قائل تھے، مثلاً
حسین منصور، اور شیخ محی الدین عربی
وغیرہ (شیخ احمد سرہندی) ان کو
ملحد و زندیق کہتے تھے، اپنے مکتوبات
میں جو تین جلدوں پر مشتمل ہے، اکثر
مقامات پر شیخ محی الدین عربی کی
تکفیر کی ہے، اور بعض مقامات پر
مذاہب اعتزال کی ان سے
نسبت کی ہے، اور اس سب کے
باوجود ان کو مقبولین الٰہی میں شمار
کیا ہے۔

ان اعتراضات کے ساتھ حضرت مجدد کی تعریف بھی کرتے ہیں، فرماتے ہیں:۔

بہ دعوت طالبان حق ارشاد کردہ
پس وے اکثر طالبان (را) ہدایت
نمودے، و بہ جانب حق دلالت
فرمودے، و بر اجرائے شرائع تقید
فرمودے، و تارک شرائع را توبیخ
و زجر کردے، و متمسک بشرائع را

(حضرت خواجہ باقی باللہ نے) آپ کو
دعوت طالبان حق کی اجازت دی،
چنانچہ طلبگاران حق کو آپ ہدایت
کرتے، اللہ کی طرف رہبری فرماتے
احکام شرعیہ کی پیروی کی تاکید
فرماتے، تارکِ شریعت کو زجر و توبیخ

دوست داشتے۔ — کرتے، شریعت پر عمل کرنے والے سے خوش ہوتے۔

مجدد صاحب کی طرف سے تاویل بھی کرتے ہیں، اور حسن ظن بھی ظاہر کرتے ہیں، مخالفین نے جن عبارتوں اور الفاظ پر اعتراض کیا ہے، ان کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:۔

وقتے لازم آید کہ مراد ازیں الفاظ معنی ظاہری بود فاما اگر مراد از وے معنی باطنی بود چناں کہ گزشت ہیچ تکفیر وے و تشنیع لازم نیاید۔

لیکن یہ ضروری ہے کہ ان الفاظ سے معنی ظاہری ہی مراد ہوں، لیکن اگر ان سے معنی باطنی مراد ہوں جیسا کہ اوپر گزرا، تب ... اس سے کوئی تکفیر و تشنیع لازم نہیں آتی۔

لیکن پھر وہ خیال جو صحبت و ماحول کے اثر، اور افواہوں کی کثرت سے ان کے ذہن میں جاگزیں ہو گیا ہے، غالب آتا ہے، اور وہ لکھتے ہیں:۔

ولیکن حق آنست کہ ایراد کلامے کہ موہم بہ نقص بود بجناب نبوی خالی از نقص و قصور نیست کما لا یخفی۔

لیکن حق یہ ہے کہ ایسے کلام کا لانا جس سے بارگاہ نبوی میں تنقیص کا وہم پیدا ہوتا ہو نقص و قصور سے خالی نہیں۔

اس کتاب کی زیادہ تر اہمیت اور شہرت اس وجہ سے ہوئی کہ اس میں قاضی شیخ الاسلام[1] کا... مراسلہ درج کیا گیا ہے، جو انھوں نے اورنگ آباد کے قاضی، قاضی ہدایت اللہ

---

[1] قاضی شیخ الاسلام قاضی القضاۃ عبدالوہاب گجراتی کے بیٹے، اور عہد عالمگیری کے نامور قضاۃ میں تھے، ۱۰۸۶ھ میں عالمگیر نے ان کو قاضی القضاۃ کا عہدہ دیا، ۱۰۹۴ھ میں اس عہدۂ جلیلہ سے استعفا دیا اور حج کے لئے روانہ

(باقی صفحہ ۳۵۰ پر)

کے نام بھیجا ہے، اور اس کے متعلق مصنف کا بیان ہے کہ وہ بادشاہ اسلام (اورنگ زیب عالمگیر) کے حکم سے جاری کیا گیا، اور اس پر قاضی شیخ الاسلام کی مہر تھی، مصنف کے بیان کے مطابق اس پر ۲۷ شوال سنہ ۱۰۹۰ھ کی تاریخ درج ہے، یہ مراسلہ یا فرمان مصنف نے کتاب "کاسر المخالفین"[1] سے نقل کیا ہے، اور یہاں بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے:-

از قرار بتاریخ بست و ہفتم شہر شوال سنہ یک ہزار و نود ہجری آنکہ شریعت پناہ فضائل و کمالات دستگاہ فقاہت انتباہ، قاضی ہدایت اللہ بعافیت باشند۔

دریں ولا بعرض مقدس معلی رسید کہ بعضے مواضع مکتوبات شیخ احمد سرہندی ظاہر در مخالفت عقائد اہل سنت و جماعت است، و معتقدان شیخ مذکور کہ در بلاد اورنگ آباد خجستہ بنیاد سکونت دارند و ترویج آں بیشتر دہند و تدریس می نمایند اعتقاد حقیقت عقائد باطلہ مذکورہ دارند۔

۲۷ ماہ شوال سنہ ۱۰۹۰ھ..... قاضی ہدایت اللہ کو معلوم ہو کہ اس زمانہ میں سمع مبارک تک یہ بات پہونچی کہ مکتوبات شیخ احمد سرہندی کے بعض مقامات ظاہراً عقائد اہلِ سنت کے مخالف ہیں، شیخ مذکور کے معتقد جو شہر اورنگ آباد میں سکونت رکھتے ہیں، ان کی اشاعت کرتے ہیں،.... اور ان کا درس دیتے ہیں، اور ان عقائد باطلہ مذکورہ کی حقیت پر اعتقاد رکھتے ہیں، حکم والا شرف صدور لایا کہ یہ خادم شریعت پناہ کو لکھے کہ ان کو رشد (؟) اور ان مضامین

(باقی ص ۳۴۹ کا) ہو گئے، عالمگیر کے اصرار کے باوجود انھوں نے دوبارہ یہ عہدہ قبول نہیں کیا۔ "یادایام" (تاریخ گجرات) از مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مرحوم ص ۷۸-۷۹۔ منقول از "مآثر الامراء" وغیرہ۔ [1] افسوس ہے کہ کتاب کے مصنف کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

حکم والا شرف صدور یافت کہ
ایں خادم شریعت باشریعت پناہ
بنویسد کہ آنہا را از رشد و درس آں
منع بکند، کسے کہ معلوم شود کہ معتقد
عقائد باطلہ مذکورہ است، او را
بہ سزائے شرعی رسانند، لہذا انگارش
شد، باید کہ برطبق حکم مطاع واجب
الاتباع بعمل آرند، و حقیقت برنگارند۔[1]

کے درس و تدریس سے روک دیا جائے
اور جس کے متعلق معلوم ہو کہ وہ ان
عقائد باطلہ پر اعتقاد رکھتا ہے،
اس کو سزائے شرعی دی جائے،
اس لئے اس کو تحریر میں لایا گیا،
چاہیئے کہ اس حکم واجب الاتباع
کے مطابق عمل کیا جائے، اور حقیقت
لکھی جائے۔

اس "فرمان شاہی" کو زمانۂ حال کی بعض تصنیفات میں بڑی اہمیت دی گئی ہے، اور گویا یہ ایک عظیم تاریخی انکشاف ہے، جو عالمگیر کے مجددی تحریک سے متاثر اور حضرت مجدد اور ان کے خاندان سے عقیدتمندانہ تعلق اور روابط کی پوری عمارت کو منہدم کر دیتا ہے۔[2]

لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو وہ اتنا "سنسنی خیز" اور ہوش ربا نہیں ہے، جتنا سمجھا گیا ہے، پہلی بات یہ ہے کہ اس میں جہاں مکتوبات کا ذکر کیا گیا ہے وہاں "ظاہر در مخالفت عقائد اہل سنت والجماعۃ" کہا گیا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ جس بات پر تشویش ظاہر کی گئی ہے، وہ ان مضامین کی ترویج و تدریس ہے، اور جس چیز سے روکا گیا ہے، وہ یہی عمومی اشاعت

---

[1] معارج الولایۃ ص۷۰۸

[2] مثلاً یہودی فاضل YOHANAN FRIEDMANN کی کتاب SHAYKH AHMAD SIRHINDI-AN OUT-LINE OF HIS THOUGHT & A STUDY OF HIS IMAGE IN THE EYES OF POSTERITY, (MCGILL UNIVESITY, MONTREAL & LONDON, 1971) مطبوعہ

اور درس وتدریس ہے، ظاہر ہے کہ ان دقیق وغامض مضامین کی (جن کا فہم محققین کی اصطلاحات سے واقفیت، اور سلوک وتصوف کے عملی تجربات وممارست پر موقوف ہے) عام اشاعت، اور ان کا حلقۂ درس میں لانا جس میں مبتدی ومنتہی سب شریک ہوتے ہیں، انتشار خیال کا موجب، اور اختلاف کا باعث ہوسکتا ہے، اور ایک حامی شریعت بادشاہ کو جس کے پیش نظر اپنے ملک کے معاشرہ کا ہر قسم کے انتشار سے محفوظ رہنا ہے، اور بزرگوں کے معاملہ میں زبان طعن دراز کرنے سے احتیاط کرنا ہے، اور جس کو اپنی اس دعوت اور اس خاندان والاشان سے قلبی ومخلصانہ روابط پر اعتماد ہے، اور جو اپنے اثر واقتدار سے اس کو کامیاب بنانے میں ساعی وسرگرم ہے، انتظاماً ایسی پابندی عائد کرنے، اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا حق ہے، اگر اس فرمان کو عالمگیر کی ذاتی زندگی، اس کے حقیقی رجحانات وجذبات، اور اس خاندان کے ساتھ اس کے ان روابط وتعلقات کے (جن کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے) سیاق وسباق میں دیکھا جائے، تو اس کے چند جملوں میں اس پوری تاریخ، اور عالمگیر کے اس طرز عمل کی تردید کا کوئی سامان نہیں ہے، جس نے بالآخر سلطنت مغلیہ کا رخ ہندوستان سے اسلامی اثرات کے ختم کرنے سے ہٹا کر شریعت اسلامی کے نفاذ، اور اسلامی تہذیب کے اجراء پر ڈال دیا، اور جس میں بلاشبہ حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے خاندان، خلفاء، اور متبعین کا بنیادی حصہ ہے۔

بہرحال واقعہ کچھ بھی ہو، ہندوستان اور ہندوستان کے باہر حضرت مجدد کی وفات کے بعد ان کے مکتوبات، اور ان کی بعض تحقیقات ونکات کی بنیاد پر مخالفت وتضلیل کی جو مہم شروع کی گئی تھی، اور جس میں علماء واہل افتاء کی بھی ایک تعداد شریک ہوگئی تھی، اس نے بارہویں صدی کے ربع اول ہی میں دم توڑ دیا، اور اب وہ صرف تاریخ کے (اور وہ بھی بعض قلمی کتابوں کے

سہارے پر) اوراق میں مدفون ہوکر رہ گئی ہے، بارہویں صدی کے نصف اول ہی میں ہندوستان سے ترکستان تک مجددی خانقاہیں، اور ہدایت وارشاد کے مرکز قائم ہوچکے تھے، سلسلۂ مجددیہ کے مشائخ اور علماء نے مکتوبات کے مستند عربی ترجمے کرکے بیشتر اسلامی ممالک میں پھیلا دیئے تھے، شیخ محمد مراد مکی قزّانی نے حضرت مجدد اور ان کی اولاد واحفاد اور ان کے سلسلہ کے عرب وترک مشائخ کا عربی میں تعارف کرایا جو "ذیل الرشحات" کے نام سے شائع ہوا ہے، نیز مکتوبات کا ترجمہ بھی کیا، جو "الدرر المکنونات النفیسۃ" کے نام سے شائع ہوا نیز شیخ محمد نورالدین بیگ الأوزبکی کا عربی رسالہ "عطیۃ الوھّاب، الفاصلۃ بین الخطأ والصواب" بھی شائع ہوا، اور مکتوبات کی ممالک عربیہ اور ترکی میں ایسی اشاعت ہوئی کہ تمام غلط فہمیاں رفع ہوئیں[1]، سرآمد علمائے روزگار علامہ شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی (م ۱۲۷۰ھ) اپنی شہرۂ آفاق تفسیر "روح المعانی" میں مجدد صاحب کا بڑے احترام سے نام لیتے ہیں، اور مکتوبات کے بکثرت اقتباسات پیش کرتے ہیں، اور اب کہیں بھی علماء کے حلقہ سے مخالفت اور تضلیل کی کوئی تحریک یا مہم جاری نہیں۔

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا	میل کچیل کا جھاگ (جو کسی کام کا نہیں ہوتا)
مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ۚ	رائیگاں جاتا ہے، اور جس چیز میں انسان کے
كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۔	لئے نفع ہوتا ہے، وہ زمین میں رہ جاتی ہے،
(سورۃ الرعد - ۱۷)	اسی طرح اللہ (لوگوں کی سمجھ بوجھ کے لئے)
	مثالیں بیان کرتا ہے۔

حکمت الٰہی کی یہ عجیب کارفرمائی ہے کہ مخالفت وتضلیل کی اس مہم میں سب سے بڑا حصہ حجاز کے ان علماء نے لیا تھا، جو کردی الاصل تھے، شیخ ابراہیم الکورانی کردی ہیں، اور سید محمد برزنجی بھی شہرزور میں پیدا ہوئے، اللہ تعالیٰ نے سلسلۂ مجددیہ نقشبندیہ کی تبلیغ واشاعت

[1] جن حضرات نے رجوع کیا یا حضرت مجدد اور ان کے سلسلہ کے دفاع کا فرض انجام دیا ان کے نام "نزہۃ الخواطر" ج ۵ ص ۴۸ پر ملاحظہ ہوں۔

کے لئے ایک کردی عالم مولانا خالد شہر زوری کا انتخاب فرمایا، جن کی مساعی جمیلہ اور قوتِ نسبت سے یہ سلسلہ عراق، شام، کردستان، اور ترکی میں اس طرح پھیلا جس کی نظیر ملنی مشکل ہے[1]۔ "وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"۔

---

[1] تفصیل باب ہشتم میں آئے گی۔

باب ہشتم

حضرت مجددؒ کے دو خلفائے کبار اور ان کے منتسبین کے ذریعہ آپ کے تجدیدی کام کی توسیع و تکمیل

مشاہیر خلفاء

حضرت مجددؒ کے خلفائے عظام کے ناموں اور کارناموں کا استقصاء دشوار ہی نہیں بلکہ تقریباً ناممکن ہے کہ ان کی تعداد کئی ہزار بتائی جاتی ہے، اور وہ تمام دنیا میں منتشر اور سرگرم عمل رہے، خلفاء میں متعدد اصحاب کے نام جن کو آپ نے بعض بیرونی ممالک میں اصلاح و تربیت کا کام تفویض کر کے روانہ فرمایا تھا، یا ہندوستان کے بعض اہم مقامات میں اس خدمت پر مامور فرمایا تھا، گذشتہ اوراق میں گذر چکے ہیں، یہاں پر حروف تہجی کے اعتبار سے ان میں سے مشاہیر کی فہرست درج کر دی جاتی ہے، پھر دو اہم ترین خلفاء (حضرت خواجہ محمد معصوم اور حضرت سید آدم بنوری) کا تذکرہ قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کیا جائے گا، پھر ان کے خلفائے کبار اور ان کے سلسلوں کی اشاعت اور ان کے ذریعہ سے اصلاح و تربیت کا جو کام انجام پایا، جن اہم روحانی و تربیتی مراکز کی بنیاد پڑی اور ان سے عوام و خواص کو جو فائدہ پہنچا اس کا اجمالاً تذکرہ آئے گا، جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ اللہ تعالیٰ

نے حضرت مجددؒ کے سلسلہ کو کس طرح قبول عام عطا فرمایا اور ان کی اصلاحی و تجدیدی مساعی کو کیسا بارآور اور پُرثمر فرمایا، اور یہ سب ارادۂ خداوندی، تائید غیبی، قبولیت عند اللہ غایت اخلاص اور اتباعِ سنت کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(۱) حضرت سید آدم بنوری (۲) مولانا احمد برکی (۳) مولانا احمد دیبنی (۴) مولانا امان اللہ لاہوری (۵) مولانا بدرالدین سرہندی (۶) شیخ بدیع الدین سہارنپوری (۷) شیخ حسن برکی (۸) شیخ حمید بنگالی (۹) حاجی خضر خاں افغانی (۱۰) میر صغیر احمد رومی (۱۱) شیخ طاہر بدخشی (۱۲) شیخ طاہر لاہوری (۱۳) خواجہ عبید اللہ عرف خواجہ کلاں (۱۴) خواجہ عبد اللہ عرف خواجہ خورد (۱۵) شیخ عبد الحی حصاری (۱۶) مولانا عبد الواحد لاہوری (۱۷) شیخ عبد الہادی فاروقی بداؤنی (۱۸) مولانا فرخ حسین ہروی (۱۹) مولانا قاسم علی (۲۰) شیخ کریم الدین بابا حسن ابدالی (۲۱) سید محب اللہ مانکپوری (۲۲) شیخ محمد صادق کابلی (۲۳) مولانا محمد صالح کولابی (۲۴) مولانا محمد صدیق کشمی (۲۷) شیخ مزمل (۲۸) حافظ محمود لاہوری (۲۹) شیخ نور محمد پٹنی (۳۰) مولانا یار محمد جدید بدخشی طالقانی (۳۱) مولانا یار محمد قدیم (۳۲) شیخ یوسف برکی (۳۳) مولانا یوسف سمرقندی[1]۔

---

[1] حروف تہجی کی رعایت سے یہ فہرست مولانا سید زوار حسین کی تالیف "حضرت مجدد الف ثانیؒ" (شائع کردہ ادارۂ مجددیہ کراچی) سے ماخوذ ہے، ان کے حالات کے لئے مذکورہ بالا کتاب از ص ۲۲۴ تا ص ۸۰ اور تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانی کا مقالہ "تذکرہ خلفائے مجدد الف ثانیؒ" از مولانا نسیم احمد فریدی ص ۳۱۰ تا ص ۳۵۱ ملاحظہ ہو۔

حضرت خواجہ محمد معصومؒ[1]

شیخ طریقت وامامِ وقت، فاضل اجل حضرت معصوم بن احمد بن عبدالاحد العدوی العمری یعنی خواجہ محمد معصوم نقشبندی سرہندی، اپنے والد کی چہیتی اولاد صورۃً مشابہ، اَزیب تر پیروی واتباع میں فائق آپ کے علوم کے حامل خصوصی، فرزندان گرامی میں سب سے زیادہ مشہور اوران میں سب سے زیادہ بابرکت تھے۔

۱۱ر شوال ۹-۱۰۰۷ھ میں پیدا ہوئے، اور بعض کتب درسیہ اپنے بڑے بھائی خواجہ محمد صادق سے اور بیشتر کتابیں اپنے والد ماجد اور شیخ محمد طاہر لاہوری سے پڑھیں، اپنے والد کی خدمت میں رہ کر تحصیل طریقت کی اور تین ۳ ماہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا، نسبت پدری کی تحصیل میں آپ کا حال صدر الشریعۃ صاحب شرح وقایہ جیسا تھا، جو اپنے دادا صاحب کی تحریروں کو ان کے لکھے جانے کے ساتھ ہی حفظ کرتے جاتے تھے، اسی لئے اس مرتبہ کو پہنچے جہاں آپ کے والد کے اصحاب میں سے کوئی نہیں پہنچا چنانچہ آپ کے والد ماجد نے "قیومیت" وغیرہ جیسے بلند مقامات کی بشارت دی، والد ماجد کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر بیٹھے اور حرمین شریفین کا سفر کر کے حج وزیارت سے مشرف ہوئے، اور خاصی مدت تک مدینہ منورہ میں مقیم رہ کر ہندوستان واپس ہوئے، اور درس وافادہ میں عمر صرف کردی، تفسیر بیضاوی، مشکوٰۃ وہدایہ، عضدی، وتلویح زیادہ تر درس میں رہی۔

شیخ مراد بن عبداللہ قزانی "ذیل رشحات" میں لکھتے ہیں کہ "آپ اپنے والد ماجد کی طرح اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے، آپ نے دنیا کو روشن کر دیا، اور اپنے توجہات اور

---

[1] حضرت خواجہ محمد معصوم کا یہ تذکرہ جس میں اکثر ضروری باتیں آگئی ہیں "نزہۃ الخواطر" ج ۵ سے ماخوذ ہے۔

بلند حالات کی برکت سے جہالت و بدعت کی تاریکیوں کو کافور کر دیا، ہزاروں انسان اسرار الٰہی کے محرم ہوئے اور آپ کے شرف صحبت کے سبب بلند حالات تک پہنچے، کہا جاتا ہے کہ نو لاکھ[9] انسانوں نے آپ سے بیعت کی جن میں آپ کے خلفاء کی تعداد سات ہزار ہے، جن میں شیخ حبیب اللہ بخاریؒ بھی تھے، جو اپنے زمانے میں خراسان و ماوراء النہر کے سب سے بڑے شیخ تھے، آپ کی وجہ سے بخارا کی فضائیں بدعت کی تاریکیوں کے بعد سنت کی روشنیوں سے معمور ہو گئیں آپ نے چار ہزار مریدوں کو باکمال بنا کر خلافت و اجازت سے سرفراز کیا۔

شیخ محمد معصومؒ کے مکتوبات تین جلدوں میں ہیں، اور والد ماجد (حضرت مجدد الف ثانیؒ) کے مکتوبات ہی کی طرح اسرار و رموز اور لطائف و اشارات پر مشتمل ہیں، اور اکثر مجدد صاحب کے دقیق علوم و معارف کی تفسیر و تشریح کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ کو شہر سرہند میں انتقال فرمایا جہاں دفن ہوئے، قبر مبارک مشہور اور زیارت گاہ خلائق ہے۔

حضرت سید آدم بنوریؒ[1]

شیخ عارف، ولی کبیر حضرت آدم بن اسماعیل بن بہوہ بن یوسف بن یعقوب بن حسین حسینی کاظمی بنوری، سلسلۂ نقشبندیہ کے مشائخ کبار میں ہیں، آپ کے والد ماجد کو خواب میں آپ کی پیدائش کی بشارت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ملی تھی، سرہند کے قریۂ بنّور (بفتح باو تشدید نون) میں آپ کی ولادت و نشو و نما ہوئی۔

آپ نے حضرت مجدد صاحبؒ کے ایک مرید حاجی خضر روغانی سے ملتان میں روحانی

---

[1] حضرت شیخ آدم بنوری کا تذکرہ بھی "نزہۃ الخواطر" ج ۵ سے ماخوذ ہے، جو اس سلسلہ میں "ما قلّ ودلّ" کا مصداق ہے۔

استفادہ کیا اور دو ماہ ان کی خدمت میں رہ کر شیخ کے حکم سے حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اور ان کے پاس مدت تک مقیم رہ کر طریقت کی تحصیل کی "خلاصۃ المعارف" میں ہے کہ شیخ محمد طاہر لاہوری کی خدمت میں آپ کو ربانی کشش حاصل ہوئی جو انھیں اپنے شیخ اسکندر سے اور انھیں اپنے دادا شیخ کمال الدین کیتھلی سے حاصل ہوئی تھی، فی الجملہ آپ اس رتبے کو پہنچے جہاں آپ کے بہت سے معاصر مشائخ نہیں پہنچ سکے، آپ کا طریق شریعت محمدیہ اور سنت نبویہ کا اتباع تھا، جس سے اپنے اقوال و افعال میں سرِ مو انحراف نہیں کرتے تھے۔

آپ سے ایک خلق نے استفادہ کیا کہا جاتا ہے کہ آپ سے چار لاکھ مسلمانوں نے بیعت کی اور ان میں سے ایک ہزار نے علم و معرفت کا وافر حصہ پایا، کہتے ہیں کہ آپ کی خانقاہ میں ایک ہزار آدمیوں سے کم تعداد شاید ہی کسی دن رہتی ہو، سب لوگ آپ کے مہمان ہوتے اور آپ سے استفادہ کرتے تھے" تذکرہ آدمیہ" میں ہے کہ حضرت سید آدم جب ۱۰۵۲ھ میں لاہور تشریف لے گئے ہیں تو آپ کے ساتھ دس ہزار اعیان و مشائخ اور ہر طبقہ کے افراد تھے، شاہجہاں بادشاہ بھی ان دنوں لاہور ہی میں تھا، جسے ان کی مقبولیت سے تشویش پیدا ہوئی اور اس نے اپنے وزیر سعد اللہ خاں کو شیخ کے پاس بھیجا، مگر اس ملاقات میں بدمزگی کے سبب، وزیر مذکور نے بادشاہ سے شیخ کی شکایت کی، جس کے نتیجے میں بادشاہ نے انھیں حرمین شریفین کے سفر کا حکم دے دیا، چنانچہ آپ نے اپنے عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ حجاز کا رخ کیا اور حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ میں مقیم ہوئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

حقائق و معارف میں شیخ آدم بنوریؒ کی متعدد کتب و رسائل ہیں، جن میں فارسی میں دو جلدوں میں "خلاصۃ المعارف" نامی کتاب ہے، جس کی ابتداء اس طرح ہوئی ہے،

"الحمد للہ رب العالمین حمداً کثیراً بقدر کمالات اسمائہ والٰہ[1] الخ" ان کی کتابوں میں "نکات الاسرار" بھی ہے۔

شیخ آدم بنوریؒ امّی تھے، انھوں نے کسی سے علمی تحصیل نہیں کی تھی، آپ نے ۲۳ شوال ۱۰۵۳ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں قبۂ سیدنا عثمانؓ کے پاس دفن ہوئے۔

سلسلۂ مجددیہ معصومیہ اور اس کے مشائخ کبار

ہم پہلے حضرت خواجہ محمد معصوم کے سلسلہ کے مشائخ کبار کا اجمالی تذکرہ کرتے ہیں جس سے ان کی مقبولیت اور مرجعیت، ان کے افادہ و افاضہ کے دائرہ کی وسعت ان کی طرف رجوع عام اور خلق خدا کے پروانہ وار ہجوم و ازدحام اور اس وقت کے اسلامی معاشرہ اور مسلمانوں کی زندگی پر ان کے وسیع و عمیق اثرات کا کسی قدر اندازہ ہو سکے گا، ان کے مفصل حالات و سوانح کے لئے ان کتابوں کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے جو مستقلاً ان کے حالات میں لکھی گئیں یا ان کتب و تراجم کی طرف جن میں ان کا اجمالاً تذکرہ آیا ہے، جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے، اس کے لئے مولانا حکیم سید عبدالحیؒ کی شہرۂ آفاق کتاب "نزہۃ الخواطر" کی جلد پنجم، ششم اور ہفتم پر ایک نظر ڈالنا کافی ہوگا۔

حضرت خواجہ سیف الدین سرہندی

حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے طریقہ کی اشاعت اور بانی سلسلہ حضرت مجدد الف ثانیؒ

---

[1] مصنف نے تحدیث بالنعمۃ کے طور پر لکھا ہے کہ یہ کتاب ان کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔

کے مقاصد کی تکمیل (جن میں تعلق مع اللہ کی تجدید، اتباع سنت کا رواج اور ازالۂ بدعات و منکرات خاص اہمیت رکھتا ہے) حضرت خواجہ محمد معصوم کے خلف الرشید اور خلیفۂ راشد حضرت خواجہ سیف الدین سرہندی (۱۰۴۹-۱۰۹۶ھ) سے ہوئی جنھوں نے اپنے والد ماجد کے حکم سے دارالسلطنت دہلی میں طرح اقامت ڈالی، آپ کے ہاتھوں اس مرجع عالم خانقاہ کی بنیاد پڑی جس کو بعد میں حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں اور حضرت شاہ غلام علی دہلوی نے تربیت روحانی کا عالمگیر مرکز بنا دیا، اور جس کے انوار سے ایک طرف افغانستان و ترکستان، دوسری طرف عراق و شام و ترکی منور ہوئے اور شاعر کا یہ کہنا حرف بحرف صادق آیا ؎

چراغ ہفت کشور خواجہ معصوم
منوّر از فروغش ہند تا روم

سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے (جس نے جیسا کہ اوپر گذرا ہے، حضرت خواجہ محمد معصوم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی) حضرت خواجہ سیف الدینؒ سے روحانی تربیت حاصل کی، حضرت خواجہ کے محل شاہی میں جانے اور دیواروں پر کندہ تصویروں پر اعتراض کرنے اور بادشاہ کے اسی وقت ان کے ختم کرنے کا حکم دینے کا تذکرہ تاریخ میں[1] آتا ہے، خواجہ سیف الدین نے اپنے والد نامدار کو اس کی اطلاع دی اور خواجہ نے (بادشاہ کے نام ایک مکتوب میں) اس پر مسرت کا اظہار فرمایا، تحریر فرماتے ہیں:-

چہ نعمتست کہ بایں ہمہ طمطراق	یہ کیسی بڑی نعمت ہے کہ شاہانہ شان
بادشاہی و دبدبۂ سلطانی کلمۂ حق	و شوکت اور بادشاہی دبدبہ کے باوجود

[1] ذیل الرشحات۔ تالیف شیخ محمد مراد القزانی ص ۴۸ المطبعۃ المیریۃ بمکۃ المحمیہ سنہ ۱۳۰۰ھ۔

بہ سمع قبول افتد و گفتہ نامرادے	کلمۂ حق قبول کیا جائے اور ایک
موثر شود۔[1]	نامراد کا کہنا موثر ہو۔

خواجہ سیف الدین نے بادشاہ میں آثار ذکر ظاہر ہونے اور بادشاہ کے بعض منازل سلوک طے کرنے کی بھی اطلاع دی اور خواجہ محمد معصوم نے اس پر بھی اپنی مسرت و اطمینان کا اظہار فرمایا ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"بادشاہ دیں پناہ کے جو احوال تم نے ذکر کئے مثلاً لطائف میں ذکر کا سرایت کرنا اور سلطان ذکر اور رابطہ کا حاصل ہونا خطرات کی قلت کلمۂ حق قبول کرنا بعض منکرات کا رفع ہونا اور لوازم طلب کا زائل ہونا یہ سب بوضاحت معلوم ہوئے، اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانا چاہیئے، بادشاہوں کے طبقے میں یہ باتیں عنقا کی طرح نایاب ہیں"[2]

بادشاہ نے ان سے رابطۂ روحانی قائم رکھا "مآثر عالمگیری" کے مصنف محمد ساقی مستعد خاں نے سالِ دوازدہم ۱۱۰۸ھ (۱۳ محرم) کے واقعات میں بادشاہ کے ایک پہر رات گئے باغ حیات بخش سے حضرت خواجہ کے دولت خانہ میں تشریف لے جانے اور ایک گھڑی بیٹھ کر ان کی صحبت بابرکت اور کلمات طیبہ سے مستفید ہونے اور ان کا اعزاز و اکرام کرنے کے بعد دولت خانہ شاہی میں مراجعت کا ذکر کیا ہے[3]۔

حضرت خواجہ کا خاص ذوق امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا تھا، اور اس میں وہ بڑے سرگرم تھے، "ذیل الرشحات" کے مصنف شیخ مراد بن عبداللہ القزانی کے بیان کے مطابق "ان کی اِن مساعی کا اثر یہ ہوا کہ قریب تھا کہ سرزمین ہندوستان سے بدعات کا

---

[1] مکاتیب حضرت خواجہ محمد معصوم ج ۳ مکتوب ۲۲۷ [2] ایضاً ج ۳ مکتوب ۲۲۰

[3] مآثر عالمگیری شائع کردہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۸۷۱ء ص ۸۴

خاتمہ ہوجائے اسی بنا پر ان کے والد ماجد نے ان کو محتسب الامۃ کا خطاب دیا نہایت قوی التاثیر، صاحبِ جذب وتصرف تھے، لوگ ایک اضطراب واستغراق کی حالت میں ان کی خانقاہ میں پڑے رہتے تھے، اسی کے ساتھ بڑے دبدبہ اور عظمت کے شیخ تھے، سلاطین و اُمراء ان کی مجلس میں مؤدب کھڑے رہتے تھے، اور ان کو ان کے سامنے بیٹھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، رجوعِ عام کا یہ حال تھا کہ روزانہ چودہ سو[۱۴۰۰] آدمی دونوں وقت ان کے مطبخ سے اپنی خواہش وذوق کے مطابق کھانا پاتے تھے۔[۱]

خواجہ سیف الدین کے بعد ان کے خلیفہ سید نور محمد بدایونی (م ۱۱۳۵ھ) نے ان کی جگہ کو آباد اور ان کی خانقاہ کو نورِ محمدی سے منور رکھا ان کے بعد حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ نے ان کی مسند ارشاد کو زینت بخشی جن کا تذکرہ بعد میں آئے گا۔[۲]

خواجہ محمد زبیرؒ سے مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادیؒ تک

حضرت خواجہ محمد معصوم کے دوسرے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد نقشبند تھے (۱۰۳۴ھ ۱۱۱۴ھ) جو حجۃ اللہ نقشبند کے نام سے مشہور ہیں، حضرت خواجہ محمد معصوم نے ان کو اپنا جانشین وخلیفہ بنایا تھا، اور ان کی وفات کے بعد وہ ہمہ تن ارشاد وتلقین میں مصروف ہوگئے۔

ان کے خلفاء میں خواجہ محمد زبیر (ابن ابی العلا بن خواجہ محمد معصوم، م ۱۱۵۱ھ) تھے، جن کی طرف طالبین کا ایسا رجوع ہوا جو اس عہد میں کمتر کسی کی طرف ہوا ہوگا، جب آپ مکان سے مسجد تشریف لاتے تھے، تو امراء اپنے دوشالے اور پگڑیاں مکان سے مسجد تک

---

[۱] ذیل الرشحات ص ۴۸-۴۹ [۲] چتلی قبر کی موجودہ خانقاہ اصلاً حضرت شاہ غلام علیؒ کے زمانہ میں قائم ہوئی جنھوں نے اس مکان کو جس میں حضرت مرزا صاحب کی تدفین ہوئی تھی، خرید کر مسجد وخانقاہ کی تعمیر کی۔

بچھاتے تھے تاکہ قدم مبارک زمین پر نہ پڑے، اور اگر کسی مریض کی عیادت یا دعوت میں جانے کے لئے سوار ہوتے تو بادشاہوں کے مثل آپ کی سواری جاتی تھی۔[1]

حضرت خواجہ محمد زبیر نے بڑے بڑے خلفاء یادگار چھوڑے ان میں تین بڑے نامور ہوئے، حضرت شاہ ضیاء اللہ جن کے خلفاء میں حضرت شاہ محمد آفاق ہیں، دوسرے حضرت خواجہ محمد ناصر عندلیب جن کے فرزند و خلیفہ خواجہ میر درد دہلوی ہوئے، تیسرے حضرت خواجہ عبدالعدل جن کے خلیفہ حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ مترجم قرآن و فرزند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ ہیں۔

حضرت خواجہ ضیاء اللہ بڑے پایہ کے شیخ طریقت و صاحب نسبت تھے، حضرت شاہ غلام علی فرماتے تھے کہ جس نے نسبت مجددی مجسم نہ دیکھی ہو، وہ حضرت خواجہ ضیاء اللہ کو دیکھے۔"[2]

ان کے خلیفہ حضرت شاہ محمد آفاق (۱۱۶۰-۱۲۵۱ھ) کو اللہ تعالیٰ نے قبول عام عطا فرمایا، اور شہرۂ آفاق بنایا، دہلی سے کابل تک لوگوں نے آپ سے فیض اٹھایا کابل تشریف لے گئے تو زماں شاہ، شاہِ افغانستان نے بیعت کا شرف حاصل کیا۔

حضرت شاہ محمد آفاق کے خلیفۂ ارشد اویس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادیؒ (۱۲۰۸-۱۳۱۳ھ) تھے، جن کے جذبِ قوی، نفس گرم، زہد و تجرید، اتباع شریعت، علمِ سنت و حدیث اور عشق الٰہی و حب نبوی نے نصف صدی سے زائد تک ہندوستان (بالخصوص شمالی ہند) کی فضا کو گرم اور منور رکھا اور خود انھیں کے الفاظ میں "عشق کی

---

[1] "درالمعارف" ملفوظات حضرت شاہ غلام علی۔

[2] ایضاً ص ۱۶

دکان کی گرم بازاری رہی[1]"۔

ہندوستان کے وسیع النظر و محتاط مؤرخ اور تذکرہ نگار مولانا حکیم سید عبدالحی مصنفِ "نزہۃ الخواطر" کے بقول :۔

"عقیدت مندوں نے پروانوں کی طرح ہجوم کیا اور تحائف و ہدایا کی بارش ہوئی، بڑے بڑے امراء اور رؤساء دور دراز اور دشوار گذار علاقوں سے عقیدت مندانہ حاضر ہوئے اور آپ کی ذات مرجع خلائق بن گئی، اور ایسی مقبولیت اور ہر دلعزیزی حاصل ہوئی، جو اس زمانہ میں کسی شیخ طریقت کو حاصل نہیں تھی۔

جہاں تک آپ کے کشف و کرامات کا تعلق ہے، وہ حدِ تواتر کو پہونچ گئی ہیں، اور اس بارہ میں اولیائے متقدمین میں بھی حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے علاوہ اور کوئی نظیر نہیں ملتی[2]"۔

مفصل تذکرہ کے لئے ملاحظہ ہو راقم سطور کی کتاب "تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی"۔

---

[1] ندوۃ العلماء کے اکثر بانی و ناظم حضرت مولانا کے مرید و مسترشد تھے، مثلاً مولانا سید محمد علی مونگیری بانی و ناظم اول ندوۃ العلماء، مولانا مسیح الزماں خاں شاہجہاں پوری (استاد اعلیٰ حضرت محبوب علی خاں نظام دکن) مولانا سید ظہور الاسلام فتحپوری، مولانا سید تجمل حسین بہاری، مولانا حکیم سید عبدالحیؒ ناظم ندوۃ العلماء، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی (صدر الصدور امور مذہبی حیدرآباد دکن) حسام الملک صفی الدولہ نواب سید علی حسن خاں ناظم ندوہ، مولانا کے سلسلہ کی اشاعت اول الذکر مولانا سید محمد علی مونگیریؒ سے بڑے وسیع پیمانے پر ہوئی۔

[2] نزہۃ الخواطر ج ۸ ۔

مرزا مظہر جانِ جاناں اور حضرت شاہ غلام علی

حضرت سید نور محمد بدا ونی کے خلیفہ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہیدؒ[1] (۱۱۱۱ھ-۱۱۹۵ھ) تھے، جنھوں نے پینتیس ۳۵ سال تک اپنے انفاس قدسیہ سے دلوں کو گرم و منور رکھا اور دار السلطنت دہلی میں عشق کا زور بازار اپنے عروج پر رہا، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی جیسے صاحبِ نظر معاصر کی ان کے متعلق شہادت ہے۔

"ہندوستان کے لوگوں کے حالات ہم سے پوشیدہ نہیں کہ یہیں کی پیدائش ہے، اور یہیں عمر بسر ہوئی ملک عرب کو خود دیکھا ہے، اور اس کی سیاحت کی ہے، افغانستان و ایران کے لوگوں کے حالات وہاں کے معتبر لوگوں کی زبانی سنے ہیں، اس سب کے بعد اس نتیجہ پر پہونچنا ہوا کہ کوئی ایسا بزرگ جو جادۂ شریعت اور طریقت پر اور کتاب و سنت کی پیروی میں ان کی طرح استوار و مستقیم ہو، اور طالبین کی رہنمائی میں اس کا پایہ اتنا بلند اور اس کی توجہ اتنی قوی ہو ہمارے دور میں ان ملکوں میں سے کسی ملک میں جن کا اوپر ہم نے تذکرہ کیا پایا نہیں جاتا، دور ماضی اور بزرگان سلف میں بیشک ہو سکتا ہے، بلکہ سچ پوچھئے تو ہر زمانہ میں ایسے بزرگ زیادہ تعداد میں پائے نہیں جاتے چہ جائیکہ ایسے زمانہ میں جو فتنہ و فساد سے پُر ہے"[2]

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کے خلفاء میں حضرت مولانا نعیم اللہ بہرائچی (۱۱۵۳ھ-۱۲۱۸ھ) مصنف "معمولات مظہریہ" اور بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) مصنف "التفسیر المظہری" و "ما لابد منہ"، اور مولانا غلام یحییٰ بہاری (۱۱۸۰ھ) جیسے سرآمد روزگار

---

[1] اصل نام شمس الدین حبیب اللہ تھا، مظہر تخلص تھا، والد کا نام مرزا جان تھا، اسی نسبت سے عالمگیر مرحوم نے جانِ جاں نام رکھا کہ فرزند جانِ پدر ہوتا ہے، خلائق کی زبان پر جانِ جاناں جاری ہو گیا۔ [2] کلمات طیبات ص ۱۶۴-۱۶۵

علماء و مشائخ تھے،[1] لیکن مرزا صاحب کے سلسلہ بلکہ طریقہ مجدّدیہ کی عالمگیر اشاعت ان کے خلیفۂ ارشد حضرت شاہ غلام علی بٹالوی[2] (۱۱۵۶ھ - ۱۲۴۰ھ) کے لئے مقدّر تھی، ان کو سلسلۂ مجددیہ کا مجدد بلکہ تیرہویں صدی میں سلوک الی اللہ اور تزکیہ و احسان (جس کا معروف نام تصوف ہے) کا مجدد کہنا صحیح ہوگا، جن پر عجم و عرب کے طالبین نے پروانوں کی طرح ہجوم کیا، ہندوستان کا کوئی شہر ایسا نہ ہوگا، جہاں آپ کا کوئی خلیفہ نہ ہو صرف ایک انبالہ شہر میں آپ کے پچاس[50] خلفاء تھے، سرسید احمد خاں مرحوم "آثار الصنادید" میں لکھتے ہیں :-

"میں نے حضرت کی خانقاہ میں اپنی آنکھ سے روم اور شام اور بغداد اور مصر، چین اور حبش کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ حاضر ہو کر بیعت کی اور خدمت خانقاہ کو سعادت ابدی سمجھے اور قریب قریب کے شہروں کا مثل ہندوستان، پنجاب اور افغانستان کا تو کچھ ذکر نہیں کہ ٹڈی دل کی طرح امنڈتے تھے، حضرت کی خانقاہ میں پانچ سو[500] فقیر سے کم نہیں رہتا تھا، اور سب کا روٹی کپڑا آپ کے ذمہ تھا۔"[3]

شاہ رؤف احمد مجددیؒ دُرّ المعارف میں صرف ایک روز کے طالبین کے مقامات کی فہرست لکھتے ہیں، جو ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۱ھ کو دہلی کی اس خانقاہ میں استفادہ کے لئے حاضر تھے:

"سمرقند، بخارا، غزنی، تاشقند، حصار، قندھار، کابل، پشاور، کشمیر، ملتان، لاہور، سرہند، امروہہ سنبھل، رامپور، بریلی، لکھنؤ، جائس، بہرائچ، گورکھپور، عظیم آباد، ڈھاکہ، حیدر آباد، پونا وغیرہ[4]"

ان کے اس فیض عام کو دیکھ کر ان کے مسترشد مولانا خالد رومی کا فارسی کا یہ شعر بالکل واقعہ کی تصویر ہے ؎

---

[1] خلفاء و مریدین کبار کے لئے ملاحظہ ہو مقامات مظہری۔ از ص ۱۶۴ اس میں جن خلفاء کے نام دیئے ہیں ان کی تعداد ۴۳ ہے

[2] آپ کا اصل نام عبداللہ تھا شاہ غلام علی کے نام سے شہرۂ آفاق ہوئے، [3] آثار الصنادید باب چہارم [4] دُرّ المعارف ص ۱۰۶ مطبع نامی

خبر از من دہید آں شاہ خوباں را بہ پنہانی
کہ عالم زندہ شد بار دگر از ابر نیسانی[1]

حضرت شاہ غلام علیؒ کے بڑے بڑے جلیل القدر خلفاء ہوئے ان میں سے حضرت شاہ سعد اللہ جن کے خلیفہ شاہ محمد نعیم معروف بہ مسکین شاہ صاحب (م ۱۲۶۴ھ) تیرہویں صدی کے وسط میں حیدرآباد تشریف لائے اور طویل قیام فرمایا، آصف جاہ ششم اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں ان کے ارادت مند تھے[2]، شاہ سعد اللہ صاحب کے دوسرے خلیفہ سید محمد پادشاہ بخاری (م ۱۳۲۸ھ) تھے[3]، حضرت شاہ غلام علی صاحب کے ایک خلیفہ حضرت شاہ رؤف احمد صاحب مجددی (۱۲۰۱ھ - ۱۲۶۶ھ) نے بھوپال میں خانقاہِ مجددیہ کی بنیاد ڈالی[4]، بہرائچ میں مولانا شاہ بشارت اللہ بہرائچی (م ۱۲۵۴ھ) نے سلسلۂ مجددیہ نقشبندیہ کی اشاعت کی، بخارا میں شیخ گل محمد شیخ الکل بنے ہوئے تھے، اور انھوں نے سلسلۂ مجددیہ کا فیضِ عام کر رکھا تھا[5]، شیخ احمد بغدادی قادری نے بغداد سے آکر بیعت و اجازت حاصل کی[6]۔

مولانا خالد رومی

عراق و شام اور ترکی میں حضرت شاہ غلام علی صاحب کے سلسلہ کی اشاعت کا کام اللہ نے ایک کردی فاضل اجل مولانا خالد رومی سے لیا، جو اپنے ملک میں حضرت کے فیض و ارشاد

---

[1] یہ انسٹھ[59] شعر کا قصیدہ ہے جو شاہ عبدالغنی محدث دہلوی نے پورا نقل کیا ہے [2] مخبر دکن مدراس ۲ جنوری ۱۸۹۶ء
[3] جن کے خلیفہ مولانا سید عبداللہ شاہ صاحب (م ۱۳۸۴ھ) مصنف "زجاجۃ المصابیح" مدت دراز تک حیدرآباد میں سرگرم تربیت و ارشاد رہے۔ [4] جس کو پیر ابو احمد صاحب اور ان کے فرزند ارجمند مولانا شاہ محمد یعقوب صاحبؒ نے اپنے اپنے وقت میں آباد کیا۔ [5] درالمعارف ص ۱۲۵ [6] ایضاً ص ۱۴۴

کا آوازہ سن کر ہمہ تن شوق و بے قراری بن کر منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے ایک سال میں دہلی پہونچے اور آستانہ پر آکر ایسے پڑے کہ تکمیل سلوک کی منزلیں طے کر کے اجازت وخلافتِ خاصہ سے مشرف ہوئے، اس عرصہ میں ان کی یکسوئی کا عالم یہ تھا کہ دہلی کے علماء ومشائخ جو ان کے فضل وکمال کی شہرت برسوں سے سنتے تھے ملنے آتے تو فرما دیتے کہ فقیر جس مقصد کے لئے آیا ہے، اس کے حصول کے بغیر کسی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا، مسند وقت سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب آئے کہ القادم یُزار (باہر سے آنے والے سے خود ملنے جاتے ہیں) اور حضرت شاہ ابوسعید صاحب نے جو ان کے شاگرد رشید تھے، عرض کیا کہ استاد الہند آپ کی ملاقات کے لئے آئے ہیں، فرمایا کہ سلام کہو اور کہو کہ مقصد براری کے بعد میں خود حاضر ہوں گا۔

وطن واپس گئے تو طالبینِ خدا پروانہ وار ٹوٹ پڑے اور ایسا رجوع ہوا کہ باید و شاید، مولانا شاہ رؤف احمد صاحب مجددی اپنی کتاب دُرُّ المعارف میں جمعہ ۲۴ رجب ۱۲۳۱ھ کی روداد میں لکھتے ہیں کہ "ایک مغربی بزرگ حضرت کا نامِ مبارک سن کر منزلوں پر منزلیں قطع کر کے بغداد میں مولانا خالد رومی سے ملتے ہوئے حاضر ہوئے، انھوں نے مولانا کی مقبولیت ومرجعیت کا حال بیان کیا کہ تقریباً ایک لاکھ آدمی حلقہ بگوشِ ارادت اور بیعت سے مشرف ہو چکے ہیں، ایک ہزار عالم متبحر داخل طریقہ ہو کر مولانا کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے ہیں"[1] خود مولانا خالد نے حضرت شاہ ابوسعید کے نام جو خط لکھا ہے، اس میں تحدیث بالنعمۃ کے طور پر تحریر فرماتے ہیں:-

"تمام مملکت روم وعرب اور حجاز وعراق اور بعض ممالکِ عجم اور سارا کردستان طریقہ عالیہ نقشبندیہ

---

[1] درالمعارف صفحہ ۱۷

کی تاثیرات وجذبات سے سرشار ہے، اور شب وروز تمام محافل ومجالس، مساجد ومدارس میں حضرت امام ربّانی مجدّد ومنوّر الف ثانی کے محاسن ومحامد کا ذکر اس طرح ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر ہے کہ اس کا گمان نہیں ہو سکتا کہ کبھی کسی ملک میں اور کسی وقت میں گوشِ زمانہ نے ایسا زمزمہ سنا ہو یا چشم فلک نے ایسی رغبت اور ایسا اجتماع دیکھا ہو..... اگرچہ اس قسم کی باتوں کا تذکرہ ایک طرح کی گستاخی اور خود بینی ہے، یہ فقیر اس پر شرمندہ ہے محض دوستوں کے حق کو مقدم جان کر اس نے بے ادبی کی جرأت کی ہے[1]

علامہ ابن عابدین مشہور بہ علامۂ شامی مصنف "ردّ المحتار" شرح "الدر المختار" مولانا خالد رومی کے شاگرد ودست گرفتہ تھے، انھوں نے ان کے مناقب میں پورا رسالہ "سلّ الحسام الہندی لنصرۃ مولانا خالد النقشبندی" کے نام سے تصنیف کیا ہے[2]، جو اصلاً ایک رسالہ کی تردید میں ہے جو بعض حاسدین نے مولانا خالد کی مخالفت وتضلیل میں لکھا تھا، رسالہ کے آخر میں مختصر حالات لکھے گئے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سلیمانیہ کے قریب قصبہ قرہ داغ کے رہنے والے تھے، ۱۱۹۰ھ میں ولادت ہوئی اساتذہ وقت سے علوم مروجہ کی تعلیم حاصل کی اور معقولات، ریاضیات، ہیئت وغیرہ میں بھی کمال پیدا کیا، پھر سلیمانیہ واپس آکر حکمت، علم کلام وبلاغت کی انتہائی کتابیں پڑھائیں، ۱۲۲۰ھ میں حج بیت اللہ وزیارت سے مشرف ہوئے، مکہ معظمہ میں دہلی جانے کا اشارہ غیبی پایا، پہلے شام واپس آئے، وہاں ایک ہندوستانی سے حضرت شاہ غلام علی صاحب کا ذکر سنا اس کی بنا پر ۱۲۲۴ھ میں ایران اور افغانستان ہوتے ہوئے، اور ہر جگہ اپنے علم کا سکہ منواتے ہوئے لاہور کے

---

[1] ترجمہ ماخوذ از مقالہ مولانا عبد الشکور صاحب مشمولہ تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی۔

[2] شامل مجموعہ رسائل ابن عابدین طبع جدید سہیل اکیڈیمی لاہور پاکستان۔

راستہ سے پورے ایک سال کی مدت میں دہلی پہونچے، دہلی پہونچ کر عربی میں قصیدۂ شوقیہ کہا جس کا مطلع ہے ؎

کملت مسافۃ کعبۃ الآمال

حمداً لمن قدمنّ بالاکمال

ایک سال نہیں گذرا تھا کہ طرق خمسہ میں اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے اور پھر اپنے مرشد کے حکم موکد سے وطن کی طرف واپس ہوئے، بغداد پہونچ کر تربیت وارشاد کا سلسلہ شروع کیا، پانچ مہینے وہاں قیام کرکے وطن واپس ہوئے، ۱۲۲۸ھ میں پھر بغداد واپس ہوئے وہاں ان کی قبولیت اور رجوع عام دیکھ کر لوگوں کو حسد ہوا، اور ان کے خلاف ایک فتنہ کھڑا کیا گیا، والیِ بغداد سعید پاشا کی طرف سے بعض علماء کو اس کی تردید کا ایما ہوا، علمائے بغداد نے اپنی مہروں سے مزین کرکے ان کی برأت اور ان کے عالی مرتبہ ہونے کا فتویٰ دیا، کردوں، اہل کرکوک، اربل، موصل، عمادیہ، عنیتاب، حلب، شام، مدینۂ منورہ، مکۂ معظمہ اور بغداد کے ہزاروں آدمیوں نے ان سے نفع اٹھایا۔

مصنف نے اس کے بعد ان کے اخلاق فاضلہ کا ذکر اور ان کی تصنیفات کی فہرست پیش کی ہے، انھوں نے اپنے زمانہ کے مشہور ادیب اور شاعر شیخ عثمان سند کی بھی ایک تصنیف کا ذکر کیا ہے، جو مولانا خالد کے حالات میں لکھی گئی ہے، اور اس کا نام ہے "أصفی الموارد فی ترجمۃ حضرۃ سیدنا خالد" آخر میں مولانا خالد نے شام کو اپنا مستقر بنالیا انھوں نے ۱۲۳۸ھ میں اپنے خلفاء ومریدین کے ایک جم غفیر کے ساتھ شام کا سفر فرمایا، اور ملک شام گویا ان پر امنڈ آیا، سلوک وارشاد کے ساتھ علوم شرعیہ کی اشاعت، مساجد کی دوبارہ آبادی ورونق کی طرف بھی متوجہ رہے، بالآخر ۱۲۴۲ھ کے طاعون میں ۱۴ ذی القعدہ کو شہادت حاصل کی

اور قاسمیون کے دامن میں مدفون ہوئے، مولانا نسباً عثمانی تھے، مؤلف رسالہ نے ان سے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ سیدنا عثمان بن عفان کا انتقال ہوگیا ہے، اور میں ان کی نماز جنازہ پڑھا رہا ہوں، انھوں نے فرمایا کہ یہ میری رحلت کا اشارہ ہے، میں ان کی اولاد ہوں، یہ خواب انھوں نے مغرب کے وقت بیان کیا تھا، اور مولانا خالد نے عشاء کی نماز پڑھ کر وصیت فرمائی، اور جانشین بنایا، گھر میں تشریف لے گئے اسی رات طاعون کا حملہ ہوا، اور انتقال فرما گئے[1]۔

حضرت شاہ احمد سعید اور ان کے خلفاء

حضرت شاہ غلام علی صاحب کے اصل جانشین اور ان کے سلسلہ کو چار دانگ عالم میں پھیلانے والے ان کے خاص تربیت یافتہ خاندان مجددی کے چشم و چراغ حضرت شاہ احمد سعید ابن شاہ ابو سعید (۱۲۱۷ھ - ۱۲۷۷ھ) تھے[2]، جنھوں نے اپنے والد حضرت شاہ ابو سعید کی وفات کے بعد ۱۲۵۰ھ میں حضرت شاہ غلام علی اور حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کے سجادہ کو رونق بخشی اور کامل ۲۳ برس (۱۲۵۰ھ - ۱۲۷۳ھ) تک سرگرمی سے سلسلۂ مجددیہ کی اشاعت میں سرگرم رہے، اور اسی سال (۱۸۵۷ء) میں مجبوراً ہندوستان اپنے آبا و اجداد کی خانقاہ کو خیرباد کہا، اور محرم ۱۲۷۴ھ میں دہلی سے روانہ ہو کر شوال ۱۲۷۴ھ میں مکۂ مکرمہ پہونچے، پھر مدینۂ طیبہ میں مستقل طور پر قیام اختیار کیا اور دو سال بقید حیات رہ کر وہیں آسودۂ خاک ہوئے، دو[2] سال کے اس قلیل عرصہ میں ترک اور عرب سیکڑوں کی تعداد میں آپ سے بیعت ہوئے ایک شاہد عینی کے بقول "اگر آپ کی حیات وفا کرتی، اور یہ سلسلہ جاری رہتا تو آپ کے

---

[1] سل الحسام الہندی ص ۳۱۵-۳۲۵، مولانا کا سلسلہ شام و ترکی میں اب تک موجود ہے میں نے دمشق و حلب اور ترکی میں اس سلسلہ کے متعدد مشائخ کبار کی زیارت کی ہے۔ [2] مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" ج ۷، مقامات خیر از مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی۔

مریدوں کی تعداد لاکھوں تک پہونچ جاتی ہے[1]

حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے خلفاء کا استقصاء بہت دشوار ہے "مناقب احمدیہ"[2] میں اسّی حضرات کے نام مذکور ہیں، ہندوستان میں ان کے سلسلہ کی اشاعت ایک طرف شیخ دوست محمد قندھاری کے ذریعہ ہوئی جن کے خلیفۂ اعظم خواجہ عثمان دامانی (م ۱۲۱۴ھ) نے ڈیرہ اسماعیل خاں کے قصبہ موسیٰ زئی میں بیٹھ کر فضا کو عشق کی حرارت اور نسبتِ نقشبندیہ کی سکینت سے معمور و مخمور کر دیا ان کے خلیفۂ اعظم خواجہ سراج الدین (م ۱۳۳۳ھ) نے اس سلسلہ کو دور تک پہونچا دیا، اللہ نے ان کو وجاہت عظیم عطا فرمائی، اور انھوں نے ارشاد و تربیت اور عزم استقامت و اشتغال بالحدیث کے ساتھ اپنے اسلافِ کرام کے سجادہ کو آباد رکھا، خواجہ سراج الدین کے خلیفہ مفسر قرآن اور داعی الی التوحید، واں بھچراں[3] کے مولانا حسین علی شاہ صاحب (۱۲۸۳ھ - ۱۳۶۳ھ) ہوئے، ان سے اِس پیمانہ پر اصلاحِ عقائد کا کام ہوا، اور توحید خالص کا آوازہ بلند ہوا جس کی نظیر اس زمانہ میں مشکل ہے۔

اسی زمانہ میں سلسلہ مجددیہ ایک بڑے شیخ شاہ امام علی (۱۲۱۲ھ - ۱۲۸۲ھ) مکانوی[4] تھے، جن کے رجوع عام و مقبولیت کا حال یہ تھا کہ ان کے باورچی خانہ میں روزانہ مہمانوں کے لئے تین سو[3] بکرے ذبح ہوتے تھے[5]۔ ان کا سلسلہ حضرت عبدالاحد محدث معروف بشاہ گل کے ذریعہ حضرت مجدد تک پہونچتا ہے۔

حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے ایک جلیل القدر خلیفہ مولانا شاہ سید عبدالسلام صاحب واسطی ہسوی (۱۲۳۴ھ - ۱۲۹۹ھ) تھے جو بڑے عالی نسبت و صاحبِ استقامت شیخ تھے، اور جن سے صوبجات متحدہ میں طریقہ کی اشاعت ہوئی[6]۔

---

[1] مکتوب شاہ محمد عمر بن شاہ احمد سعیدؒ بنام مولانا سید عبدالسلام ہسویؒ۔ [2] تالیف شاہ محمد مظہر [3] ضلع میانوالی مغربی پنجاب [4] مکان شریف ضلع گرداسپور میں ایک قصبہ ہے جس کا پرانا نام رتر چھتر ہے۔ [5] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تذکرۂ بے مثل راجگان راجوراز مرزا ظفراللہ خاں ص ۵۰۸-۵۲۱ [6] تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" ج ۷

حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے ایک فرزند حضرت شاہ عبدالرشید تھے (۱۲۳۷ھ - ۱۲۸۷ھ) (جن سے نواب کلب علی خاں والیِ رامپور نے تربیت حاصل کی) اپنے والد ماجد کے بعد مدینۂ منورہ میں ان کے جانشین و قائم مقام ہوئے، آخر میں مکہ مکرمہ آگئے تھے، اور وہاں طالبین کی تربیت میں مشغول رہ کر راہی ملک بقا اور جنت المعلاۃ میں آسودۂ خاک ہوئے، آپ کے صاحبزادہ شاہ محمد معصوم (۱۲۶۳ھ - ۱۳۴۱ھ) نے رامپور میں خانقاہ معصومی کی بنیاد رکھی، ۳۲ سال رامپور میں قیام رہا اور ۱۳۴۱ھ میں مکۂ معظمہ میں وفات پائی[1]۔

حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے دوسرے فرزند شاہ محمد مظہر (۱۲۴۸ھ - ۱۳۰۱ھ) بڑے قوی النسبت اور کثیر الارشاد بزرگ تھے، سمرقند، بخارا، قزان، ارض روم، افغانستان و ایران، جزیرۃ العرب اور شام کے صدہا طالبین راہِ خدا فیض یاب ہوئے، ۱۲۹۰ھ میں مدینۂ منورہ میں نہایت عمدہ سہ منزلہ خانقاہ تعمیر کی جو رباط مظہری کے نام سے مشہور ہے، یہ باب النساء اور جنت البقیع کے درمیان واقع ہے۔

تیسرے صاحبزادہ شاہ محمد عمر تھے (۱۲۴۴ھ - ۱۲۹۸ھ) ان کے صاحبزادہ حضرت شاہ ابوالخیر مجددی تھے۔

حضرت شاہ عبدالغنی

حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے برادر خورد لیکن عالی مرتبت بھائی، محدث جلیل حضرت شاہ عبدالغنی (۱۲۳۵ھ - ۱۲۹۶ھ) جنھوں نے درسِ حدیث اور سلوک و تصوف کو اس طرح جمع کیا جس کی نظیر حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کی ذات کو مستثنیٰ کر کے ملنی مشکل ہے،

---

[1] آپ کے فرزند مولانا ابوسعید بقید حیات ہیں۔

دولت باطنی اور نسبت مجددی کے حامل اور شیخ کامل ہونے کے ساتھ وہ حدیث میں استاد الہند ..... اور شیخ وقت تھے، جن کے حلقۂ تدریس میں مولانا محمد قاسم نانوتوی مولانا رشید احمد گنگوہی جیسے علمائے اعلام تیار ہوئے اور ہندوستان میں حدیث کا سکہ رواں ہوا اور دیوبند و مظاہر علوم کے جیسے عظیم مدارس تدریسِ حدیث کے مرکز قرار پائے، ۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ رستخیز میں وہ بھی اپنے برادر معظم کے ساتھ ہندوستان سے ہجرت کر گئے اور مدینۂ طیبہ میں مستقل اقامت اختیار کی اور علامہ شیخ علی متقی صاحبِ "کنز العمال" کی سنت کو زندہ کر کے حرمین شریفین میں مدت العمر خدمت حدیث میں مشغول رہے، اور عرب و عجم کو فیض پہونچا کر بقیع میں آسودۂ خاک ہوئے[1]۔

شاہ عبد الغنی صاحب کے تین نامور خلفاء مولانا عبد الحق الہ آبادی مہاجر مکی جو صاحبُ الدلائل کے نام سے مشہور ہیں (م ۱۳۳۳ھ) شاہ ابو احمد مجددی بھوپالی (م ۱۳۴۲ھ) اور حضرت شاہ رفیع الدین دیوبندی مہتمم اول دار العلوم دیوبند (م ۱۳۰۸ھ) (جن سے حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی (م ۱۳۴۷ھ) کو خلافت حاصل تھی) انھیں کے خلیفہ و مجاز تھے، حضرت شاہ احمد سعید اور حضرت شاہ عبد الغنی صاحب کے ہندوستان سے ہجرت کر جانے کے بعد یہ خانقاہِ والا شان جو نصف صدی سے زائد مدت تک آباد و معمور تھی خالی ہو گئی[2]، بالآخر

---

[1] ان کے شاگرد رشید شیخ محمد یحیی تہتی نے ان کے اور ان کے مشائخ کے حالات میں عربی میں مستقل کتاب لکھی ہے، اس کا نام "الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبد الغنی" ہے، اور وہ ایک ہندوستانی اہل قلم کی عربیت و انشا کا بہترین نمونہ ہے۔

[2] مصنف کی نظر سے مولانا سید عبد السلام ہسوی کا ایک خط گذرا ہے جو موصوف نے ایک ایسے صاحب کو جواب میں لکھا تھا، جنھوں نے ان حضرات کے تشریف لے جانے کے بعد خانقاہ کے خالی ہو جانے کا شکوہ کیا ہے حضرت شاہ عبد الغنی صاحب نے مدینۂ طیبہ سے جواب دیا کہ مولانا عبد السلام صاحب ہسوی کو لے جاؤ اور ہماری جگہ بٹھاؤ اس وقت وہ اس جگہ پر بیٹھنے کے سب سے زیادہ اہل ہیں۔

اسی خاندان والاشان کے چشم وچراغ اور اس سلسلہ کے ایک جلیل القدر شیخ حضرت شاہ ابوالخیر مجددی (۱۲۷۲ھ - ۱۳۴۱ھ) نے جو شاہ احمد سعید صاحب کے صاحبِ نسبت و باکمال پوتے تھے، اس کو آباد کیا، اور جلد وہ خانقاہ پھر مرجع خلائق بن گئی[1]۔

حضرت مجدد کا خاندان والاشان چوتھی پانچویں پشت کے بعد سرہند سے نکل کر اطرافِ عالم میں منقسم ہوگیا اس میں اسلاف کرام کی قبور کی مجاوری سے حفاظت کے علاوہ (جس کے بہت سے مفاسد تجربہ اور مشاہدہ میں آچکے ہیں) حضرت مجدد کے طریق کی اشاعت اور دعوت و تبلیغ کے بہت سے مصالح مضمر تھے، چنانچہ ایک شاخ کابل میں (جس کا آخری مرکز قلعۂ جواد تھا[2]) عزت و وقار اور افادہ و ارشاد کے ساتھ مقیم رہی، حضرت نور المشائخ شیخ فضل عمر مجددی معروف بہ شیر آغا اسی شاخ سے تعلق رکھتے تھے، جن کے مریدوں کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز تھی، اور ہندو پاکستان میں پھیلے ہوئے تھے[3]، ان کے برادر اصغر شیخ محمد صادق مجددی مشرق وسطی میں افغانستان کے سابق سفیر اور رابطہ عالم اسلامی کی مجلسِ تاسیسی کے رکن اپنے علم و صلاح و تقویٰ اور اسلامی مسائل سے دلچسپی کی وجہ سے عرب ممالک میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، اس عوامی تحریک میں ان دونوں بھائیوں نے مرکزی و قائدانہ کردار ادا کیا تھا جس کے نتیجہ میں امیر امان اللہ خاں کو تخت و تاج سے دست بردار ہونا پڑا اور نادر شاہ تخت نشین ہوئے[4]۔

---

[1] تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو "مقامات خیر" از مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی سجادہ نشین خانقاہ حضرت شاہ ابوالخیرؒ

[2] افسوس ہے کہ روسی افواج کی یلغار اور اشتراکیت نواز افغانی حکومتوں کی دستبرد سے یہ مرکز تاراج اور اس کے آباد رکھنے والے علماء و مشائخ اسیر و جلاوطن ہوئے خاکسار مصنف نے ۱۹۷۳ء کے دورۂ افغانستان و ایران میں اس مرکز کو آباد و گلزار دیکھا تھا، اور مولانا محمد ابراہیم نور المشائخ کی بزرگانہ عنایتوں سے مشرف ہوا تھا۔ [3] ۲۵ محرم الحرام ۱۳۷۶ھ میں ان کا انتقال ہوا راقم الحروف نے مکۂ معظمہ اور لاہور میں ان کی زیارت کی ہے [4] "دریائے کابل سے دریائے یرموک تک" از مصنف ص ۴۲-۴۳

سندھ میں بھی اس خاندان کی ایک موقر شاخ قصبہ ٹنڈہ سائیں داد حیدر آباد سندھ میں مقیم تھی، اسی شاخ میں خواجہ محمد حسن مجددی اور ان کے صاحبزادہ حافظ محمد ہاشم جان مجددی معروف وممتاز[1] تھے، مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ میں بھی مجددی خاندان کی شاخیں موجود ہیں، اور وہ وضع داری اور اپنی خاندانی روایات کے ساتھ معاش ومعاد کے شریفانہ مشاغل میں مشغول اور نیک نام ہیں۔

سلسلۂ احسنیہ اور اس کے شیوخ کبار

حضرت سید آدم بنوری اگرچہ حضرت مجدد کے طریقۂ عالیہ کے خوشہ چیں اور ان کے آغوش تربیت کے پروردہ ہیں، لیکن اپنی استعداد عالی اور فطرت ارجمند کی بنا پر سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ میں بھی ایک خاص رنگ کے حامل اور ایک (ذیلی) طریقہ کے بانی ہیں، جس کو بہت سی مجتہدانہ خصوصیات کی بنا پر "طریقۂ احسنیہ" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، حکمتِ الٰہی کی یہ جلوہ گری تھی کہ جس خانوادہ عالی کی بنیاد ایک امی کے ہاتھ سے پڑی اس کے حصہ میں ہندوستان کے ممتاز ترین علماء، محدثین، اساتذۂ وقت، ناشرینِ کتاب وسنت، داعی ومصلح، عظیم مدارسِ دینیہ کے بانی اور مصنف ومحقق آئے اور وہ اس بارے میں بھی اپنے جدامجد کی سنت کے پیرو اور ان کی میراث کے وارث ہیں، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز، داعی الی اللہ ومجاہد فی سبیل اللہ حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا محمد اسمٰعیل شہید، مسند الہند حضرت شاہ اسحٰق دہلوی، بانیٔ دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی، عالم ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی،

---

[1] راقم نے ۱۹۴۴ء میں حضرت شاہ محمد حسن مجددی کی ان کے قصبہ اور خانقاہ میں زیارت کی وہ صاحب علم وتصنیف بزرگ تھے، مولانا حافظ ہاشم جان کی نظام الدین دہلی میں آمد ورفت تھی، اور راقم کے وطن دائرۂ شاہ علم اللہؒ رائے بریلی میں بھی ایک بار تشریف لائے ہیں، رحمہ اللہ، کابل وٹنڈہ سائیں داد کی دونوں مجددی شاخیں حضرت شیخ غلام محمد معصوم مشہور بہ معصوم ثانی پر جاکر مل جاتی ہیں، جو حضرت خواجہ محمد معصوم کے پوتے تھے۔

اسی سلسلہ احسنیہ کے شیوخ کبار کے ذریعہ طریقہ مجددیہ نقشبندیہ میں داخل اور اس میں صاحب اجازت وخلافت ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی جیسے طُرق تصوف کے مبصر اور نسبتوں کے رمز شناس حضرت سید آدم بنوری کے متعلق بڑے بلند الفاظ لکھتے ہیں، اور ان کو سلوک واحسان کے فن کے مجتہدین اور مستقل سلسلوں کے بانیوں میں شمار کرتے ہیں۔

حضرت سید آدم بنوری کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ تھی، اور ان کا استقصاء اس مختصر باب میں مشکل ہے، "نزہتہ الخواطر" میں حسب ذیل حضرات کے نام آئے ہیں، جن کو حضرت سید آدم بنوریؒ سے نسبت وارادت اور بعض کو خلافت واجازت حاصل تھی، دیوان خواجہ احمد نصیر آبادی (م ۱۰۸۸ھ) شیخ بایزید قصوری (م ۱۰۹۰ھ) شاہ فتح اللہ سہارنپوری (م ۱۱۰۰ھ) شیخ سعد اللہ بلخاری لاہوری (م ۱۱۰۸ھ) لیکن ان کے سلسلہ کی اشاعت حسب ذیل چار خلفاء سے ہوئی جو ان کی مجتہدانہ تربیت وتعلیم کا نمونہ اور ان کی یادگار تھے، حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی (م ۱۰۳۳ھ ۱۰۹۶ھ) حضرت شیخ سلطان بلیاوی، حضرت حافظ سید عبداللہ اکبر آبادی، شیخ محمد شریف شاہ آبادی[1]۔

حضرت سیّد شاہ علم اللہ اور ان کا خاندان

حضرت سید شاہ علم اللہ[2] کے متعلق حضرت سید نے ہجرت کے وقت فرمایا تھا کہ "سیّد

---

[1] ان کے ایک بڑے خلیفہ عبدالنبی (شام جو راسی ضلع جالندھر) تھے جو اپنے زمانہ کے بڑے عارف قوی النسبت شیخ تھے، اور جن کی ولایت وجلالت شان پر اُس زمانہ کے لوگوں کا اتفاق ہے، شاہ ولی اللہ صاحب نے "انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" میں ان کا ایک لطیف مکتوب نقل کیا ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "نزہتہ الخواطر" ج ۶

[2] مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو "سید احمد شہیدؒ" از مولانا غلام رسول مہر حصۂ اول "سیرت سید احمد شہید" حصۂ اول از مصنف "تذکرہ شاہ علم اللہ" از مولوی محمد الحسنی مرحوم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے "انفاس العارفین" میں بھی ان کا تذکرہ کیا ہے ملاحظہ ہو

خاطر جمع ہوکر جاؤ اور اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ تمہاری نسبت مشائخ اودھ میں ایسی ہوگی جیسی ستاروں میں آفتاب کی" خواجہ محمد امین بدخشی کی جو حضرت سید آدم بنوری کے مجاز و مقرب ہیں، ان کے متعلق شہادت ہے کہ" دنیا کی بو بھی اپنے پاس نہیں آنے دیتے ہندوستان و عرب میں بھی ان کے تقویٰ و استقامت کا غلغلہ ہے..... اکثر لوگ ان کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ شاید صحابہ کرامؓ ایسے ہی ہوں گے"[1] صاحب "بحر زخار" نے آپ کے تذکرہ میں یہ لفظ لکھے ہیں" مجاہدا تیکہ ازاں یگانۂ زمانہ درباب نفرت دنیا با تباع طریقہ نبویہ بظہور آمدہ بعد از صحابہ کرام در دیگر اولیاء امت متاخرین کم تر یافتہ می شود" ان کا بیان ہے، (جب آپ نے سفر حج فرمایا تو) مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے لوگ آپ کی اس قوت عمل، کمالِ اتباع اور عزیمت کو دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ" ھذا کأبی ذرؓ" یعنی شاہ علم اللہ صاحبؒ اس زمانے میں ابو ذر غفاریؓ کا نمونہ ہیں، اور یہ فقرہ حرمین میں زبان زد ہوگیا تھا، اس اتباع کامل کا نتیجہ تھا کہ انتقال کی شب کو عالمگیرؒ نے خواب دیکھا کہ آج کی رات جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، بادشاہ کو اس خواب سے بہت تشویش ہوئی، علماء سے تعبیر دریافت کی تو انھوں نے کہا کہ اس رات سید شاہ علم اللہ کی وفات ہوئی ہوگی کہ وہ اتباع سنت میں رسول اللہؐ کے قدم بقدم تھے، سرکاری وقائع نگار کی اطلاع سے معلوم ہوا کہ اس شب کو جناب ممدوح نے انتقال کیا[2]۔

آپ کے خاندان میں سلسلہ احسنیہ مسلسل طریقہ پر جاری رہا جس میں آپ کے فرزند چہارم حضرت سید محمد (م ۱۱۵۶ھ) ان کے صاحبزادہ حضرت سید محمد عدل عرف شاہ لعل صاحب (م ۱۱۹۲ھ) حضرت سید محمد صابر بن سید آیت اللہ بن شاہ علم اللہ (م ۱۱۶۳ھ)

---

[1] نتائج الحرمین بحوالہ شیخ عبدالحکیم [2] بحر زخار (از شیخ وجیہ الدین اشرف) میں مفصلاً اور در المعارف مجموعہ ملفوظات حضرت شاہ غلام علی مرتبہ حضرت شاہ رؤف احمد مجددی ص ۴۶ میں مجملاً اس رویائے صادقہ کا ذکر ہے۔

حضرت شاہ ابوسعید ابن سید محمد ضیاء ابن سید آیت اللہ بن علم اللہ (م ۱۱۹۳ھ) حضرت سید محمد واضح ابن[1] سید محمد صابر مولانا سید محمد ظاہر حسنی (م ۱۲۷۸ھ) مولانا سید خواجہ احمد بن یٰسین نصیر آبادی (م ۱۲۸۹ھ) اور حضرت شاہ ضیاء النبی (م ۱۳۲۶ھ) بڑے پائے کے بزرگ اور عالی مرتبت مشائخ گذرے ہیں جن سے ہزارہا انسانوں کو ایمان و احسان کی دولت عمل بالشریعت اور اتباعِ سنت کی توفیق حاصل ہوئی[2]۔

شیخ سلطان بلیاوی

حضرت سید آدم بنوری کے دوسرے خلیفۂ اجل حضرت شیخ سلطان بلیاوی تھے[3]، "نتائج الحرمین" سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سید آدم کے خلفاء کبار میں تھے، اکثر ان کا نام حضرت شاہ علم اللہ صاحبؒ کے ساتھ آتا ہے[4]۔

حافظ سید عبداللہ اکبر آبادی اور سلسلہ ولی اللّٰہیہ

حضرت سید آدم بنوری کے تیسرے خلیفۂ اجل جن سے ان کے سلسلہ کی سب سے زیادہ اشاعت ہوئی حافظ سید عبداللہ اکبر آبادی تھے، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم فاروقی (م ۱۱۳۱ھ) انھیں کے خلیفہ و

---

[1] آپ کی وفات تیرہویں صدی کی ابتدا میں ہوئی۔ [2] حالات کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" ج ۶-۷

[3] یہ بلیا صوبہ بہار میں گنگا کے کنارہ آباد تھا، اب یہ جگہ لکھنیا (ضلع بیگوسرائے) کے نام سے معروف ہے، مونگیر کے مقابل دریا کے دوسرے کنارہ پر ہے۔ [4] افسوس ہے کہ ان کے حالات و ملفوظات محفوظ نہیں رہے اب اس قصبہ میں ان کا خاندان آباد ہے۔

تربیت یافتہ تھے[1]، حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کا سلسلہ جس میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور پھر ان کے توسط سے حضرت حاجی عبدالرحیم شہید ولایتی، میانجی نور محمد جھنجھانوی اور ان کے توسط سے شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور ان کے خلفاء مولانا محمد قاسم نانوتوی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، پھر مولانا رشید احمد گنگوہی کے وساطت سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت شاہ عبدالرحیم کے خلفاء میں حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری، اور مولانا خلیل احمد صاحب کے خلفاء میں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی بانی سلسلہ تبلیغ نظام الدین اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کو سلسلہ احسنیہ مجددیہ سے انتساب ہے، اور وہ اس طریقہ میں مجاز و صاحبِ ارشاد ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے متعلق اس باب میں کچھ لکھنا تو ممکن نہیں کہ ؎

سفینہ چاہیئے اس بحرِ بے کراں کے لئے

ان کا تذکرہ تاریخ دعوت و عزیمت کی ایک مکمل جلد کا طالب ہے جو شاید اس سلسلہ کی پانچویں جلد ہو حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحب کی شہادت گذر چکی ہے، شاہ ولی اللہ صاحب کے متعلق حضرت شاہ غلام علی صاحب نے "مقامات مظہری" میں مرزا صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:-

"شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک نئے طریقہ کی وضاحت فرمائی ہے، حقائق و معارف کے اسرار اور

---

[1] حافظ سید عبداللہ اکبر آبادی کے فضائل و مناقب کے لئے ملاحظہ ہو "انفاس العارفین" صـ ۶ تا ۱۵ حضرت شاہ عبدالرحیم کے حالات و کمالات کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے "انفاس العارفین" تصنیف فرمائی اور تفصیل کے ساتھ ان کا اور ان کے خاندان کا تذکرہ فرمایا، یہ کتاب ۱۳۳۵ھ مطبع مجتبائی میں طبع ہوئی ملاحظہ ہو صـ ۱۵ تا ۸۷

علوم کے دقائق وغوامض کے بیان کرنے میں ان کا ایک خاص اسلوب ہے، علماء میں وہ ربانی کے لقب کے مستحق ہیں،.... ان صوفیاء محققین میں بھی۔ ..... جو علم ظاہر و باطن کے جامع تھے، ایسے لوگ انگلیوں پر شمار کرنے کے قابل ہیں، جنھوں نے ان کی طرح نئے علوم و مضامین کے بارہ میں زبان کھولی"[1]

امام معقولات علامہ فضل حق خیر آبادی نے جب شاہ صاحب کی تصنیف "ازالۃ الخفا" دیکھی تو اپنے تلامذہ کے سامنے برملا کہا کہ "اس کتاب کا مصنف ایک بحر زخار ہے جس کا ساحل نظر نہیں آتا" عالم جلیل مفتی عنایت احمد کاکوروی کا مقولہ ہے کہ "شاہ ولی اللہ صاحب کی مثال شجرۂ طوبیٰ کی ہے، جس کی جڑ ان کے گھر میں ہے، اور اس کی شاخ ہر مسلمان کے گھر ہیں"[2]، جہاں تک حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا تعلق ہے، ان کی جامعیت معقولات، منقولات، فنون ادبیہ میں یکساں مہارت، قوت تدریس، اشاعت علم حدیث، افاضۂ باطنی، حسن تربیت، قدرت تصنیف، حلاوت کلام، وسعت اخلاق، ملت اسلامیہ ہندیہ کے لئے دلسوزی و دردمندی اور کثرت فیضان میں ان کی نظیر دور دور مشکل ہے[3]۔

حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کی جماعت

جہاں تک حضرت سید احمد شہیدؒ کا تعلق ہے، جن کا خصوصی تعلق سلسلۂ احسنیہ مجددیہ سے تھا، تو ان کے حالات پر ضخیم کتابیں تیار ہو چکی ہیں، جن میں "سید احمد شہیدؒ" از مولانا غلام رسول مہر (۱، ۲، ۳، ۴) اور "سیرت سید احمد شہیدؒ" از مصنف (۱، ۲) کا مطالعہ کافی

---

[1] مقامات مظہری مطبوعہ مطبع احمدی ص ۶۰، ۶۱ — [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۶

[3] حالات و کمالات کی قدرے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۷۔

ہے[۱]، ان کا اس عہد اور ہندوستان کی تاریخ پر جو گہرا اثر پڑا، اور ان سے اللہ تعالیٰ نے ہدایت خلق، اشاعت اور حفاظت اسلام کا جو عظیم الشان کام لیا اس کے متعلق چند شہادتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اس عہد کے ایک صاحبِ نظر عالم مولوی عبدالاحد صاحب لکھتے ہیں :-

"حضرت سید صاحب کے ہاتھ پر چالیس ہزار سے زیادہ ہندو وغیرہ کفار مسلمان ہوئے، اور تیس لاکھ مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور جو سلسلۂ بیعت آپ کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء کے ذریعہ روئے زمین پر جاری ہے، اس سلسلہ میں کروڑوں آدمی آپ کی بیعت میں داخل ہیں[۲]"

مشہور عالم ربانی مجاہد فی سبیل اللہ مولانا ولایت علی عظیم آبادی (م ۱۲۶۹ھ) تحریر فرماتے ہیں :-

"ہزارہا انسان اپنا دین چھوڑ کر اسلام سے مشرف ہوئے اور ہزارہا لوگوں نے مذاہب باطلہ سے توبہ کی، پانچ چھ برس کے عرصہ میں ہندوستان کے تیس لاکھ آدمیوں نے حضرت سے بیعت کی اور سفر حج میں تقریباً لاکھ آدمی بیعت سے مشرف ہوئے[۳]"

ہندوستان کے شہرۂ آفاق مصنف و مؤلف نواب سید صدیق حسن خاں والیٔ بھوپال (م ۱۳۰۷ھ) جنھوں نے آپ کی تعلیم و تربیت کے اثرات کو خود دیکھا تھا، اور ان کے دیکھنے والوں کی ایک بڑی جماعت کا زمانہ پایا تھا "تقصار جیود الاحرار" میں لکھتے ہیں :-

"خلق خدا کی رہنمائی اور خدا کی طرف رجوع کرنے میں وہ خدا کی ایک نشانی تھے، ایک بڑی خلقت اور ایک بڑی دنیا آپ کی قلبی و جسمانی توجہ سے درجۂ ولایت کو پہونچی، آپ کے خلفاء کے مواعظ نے سرزمین ہند کو شرک و بدعت کے خس و خاشاک سے پاک کر دیا، اور کتاب و سنت کی شاہراہ پر ڈال دیا ابھی تک ان کے وعظ و پند کے برکات جاری و ساری ہیں"

---

[۱] مصنف کے مختصر رسالہ "تحقیق و انصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ" کا مطالعہ بھی اس سلسلہ میں مفید ہوگا۔

[۲] سوانح احمدی [۳] رسالہ دعوت مشمولہ مجموعۂ رسائل تسعہ از مولانا ولایت علی عظیم آبادی ص ۶۵

آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"خلاصہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں دنیا کے کسی ملک میں بھی ایسا صاحبِ کمال سُنا نہیں گیا، اور جو فیوض اس گروہِ حق سے خلقِ خدا کو پہونچے ان کا عشرِ عشیر بھی اس زمانہ کے علماء و مشائخ سے نہیں پہونچا۔"

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، سید صاحب ہی کے واسطہ سے اکابر دیوبند و بزرگانِ صادقپور[1] سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ میں داخل اور صاحبِ اجازت و خلافت ہیں، ان حضرات سے اِس تختی برِ اعظم میں علوم دینیہ کی جو اشاعت، مدارس کا جو قیام اور دعوت و اصلاح کا جو عظیم الشان کام عمل میں آیا اور جس سے کوئی صاحبِ انصاف انکار نہیں کر سکتا، وہ سب بھی حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تجدید و اصلاح کے نتائج اور اس کے ثمرات و برکات کی فہرست میں شامل ہیں، کہ انھوں نے ہی گیارہویں صدی کے پُر آشوب دور کے آغاز میں اس کا راستہ ہموار کیا، اس کے لئے سازگار حالات اور فضا پیدا کی دلوں میں اس کا جذبہ اور ولولہ بیدار کیا، اور ایک ایسی جماعت یادگار چھوڑی جس نے اپنے سوز دروں اور نورِ باطن سے دین کی اس شمع کو روشن و فروزاں رکھا اور پھر دیئے سے دیا جلتا رہا، اور اس ملک میں پھر کفر و جہالت اور شرک و بدعت کی تاریکی اس طرح پھیلنے نہیں پائی، جیسی کہ دسویں صدی کے آخر میں دیکھنے والوں کو نظر آ رہی تھی، ان سے بلا واسطہ اور بالواسطہ نسبت رکھنے والی جماعت کو یہ کہنے کا حق ہوا کہ ؎

آغشتہ ایم ہر سر خارے بخون دل　　قانون باغبانیٔ صحرا نوشتہ ایم

---

[1] صادقپور پٹنہ کا ایک مشہور محلہ ہے جو سید صاحب علیہ الرحمہ کی تحریک جہاد و اصلاح کا سب سے بڑا مرکز تھا اور جس نے اس کام کو آخر وقت تک جاری رکھا اور اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قربانیاں دیں، حضرت مولانا ولایت علی عظیم آبادی مولانا یحییٰ علی مولانا احمد اللہ، مولانا عنایت علی غازی، مولانا عبد اللہ امیر جماعت مجاہدین (چمر قند) اور مولانا عبد الرحیم صادقپوری اس کے ممتاز فرد تھے "من المومنین رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا"۔

حضرت مجدد کی تصنیفات ورسائل

ہم آخر میں حضرت مجدد کی تصنیفات کی فہرست پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، ان کے مفصل تعارف کے لئے ناظرین کو مولانا سید زوار حسین شاہ کی فاضلانہ تصنیف "حضرت مجدد الف ثانیؒ" کے مضمون[1] "حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تصانیف عالیہ" کے مطالعہ کا مشورہ دیں گے جس میں فاضل مصنف نے ان تصانیف عالیہ میں سے ہر ایک کا مفصل تعارف کرایا ہے، اور ان کے متعلق بیش قیمت مواد جمع کر دیا ہے[2]۔

۱۔ "**اثبات النبوۃ**" (عربی) اس کے قلمی نسخے مجددی خاندان کے کتب خانوں اور خانقاہوں میں محفوظ چلے آرہے تھے، کتب خانہ ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے ۱۳۸۳ھ میں اصل عربی متن اور اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کیا، پھر ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور نے ۱۳۸۵ھ میں دیگر رسائل کے ساتھ اصل متن بغیر اردو ترجمہ کے شائع کیا۔

۲۔ "**ردّ روافض**" یہ رسالہ بعض ایرانی شیعہ علماء کے رسالہ کے جواب میں ہے، یہ رسالہ غالباً ۱۰۱۰ھ کے قریب لکھا گیا ہے، اس رسالہ کے بعض مضامین دفتر اول مکتوب ۸۰ اور ۲۰۲ میں بھی ملتے ہیں، اس رسالہ کا فارسی متن مکتوبات شریف فارسی کے آخر میں بہت سے مطابع نے شائع کیا، حشمت علی خاں صاحب نے ۱۳۸۴ھ میں رامپور سے اس کا فارسی متن پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں کے اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کیا، پھر ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور نے فارسی متن علیحدہ اور اردو ترجمہ علیحدہ شائع کیا، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس رسالہ کی شرح لکھی ہے، جو طبع نہیں ہوئی۔

---

[1] شائع کردہ ادارۂ مجددیہ ۵/۲ ایچ ناظم آباد ۳ کراچی [2] ص ۶۷۶-۶۸۷

۳۔ "رسالہ تہلیلیہ" (عربی) یہ رسالہ ۱۰۱۰ھ میں مرتب ہوا، اس کے صرف قلمی نسخے پائے جاتے تھے، ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے ۱۳۸۴ھ میں عربی متن مع اردو ترجمہ اور ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور نے ۱۳۸۵ھ میں صرف عربی متن دیگر رسائل کے ساتھ شائع کیا۔

۴۔ "شرح رباعیات" اس میں حضرت خواجہ باقی باللہ کی دو رباعیوں کی حضرت خواجہ کے قلم سے شرح اور حضرت مجدد صاحب کے قلم سے شرح الشرح ہے، ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور اور ادارۂ مجددیہ ناظم آباد کراچی کی طرف سے علی الترتیب ۱۳۸۵ھ اور ۱۳۸۶ھ میں شائع ہوا، اس شرح رباعیات کی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی شرح فرمائی ہے، جو کشف الغین فی شرح رباعتین کے نام سے مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۱۰ھ میں شائع ہوئی ہے۔

۵۔ "معارف لدنیہ" (فارسی) یہ حضرت مجدد کے معارف خاصہ اور سلوک و طریقت کے اہم مباحث پر مشتمل ہے، جس کو خود حضرت ہی نے ۱۰۱۵ھ یا ۱۰۱۶ھ میں مرتب فرمایا تھا، ہر مضمون کو "معرفت" کا عنوان دیا گیا ہے، ان معارف کی مجموعی تعداد اکتالیس ۴۱ ہے، اس رسالہ کا فارسی متن سب سے پہلے حافظ محمد علی خاں شوق نے مطبع احمدی رامپور سے دسمبر ۱۸۹۸ء میں شائع کیا، پھر مجلس علمی ڈابھیل، حکیم عبدالمجید سلیفی، ادارۂ سعدیہ مجددیہ اور ادارۂ مجددیہ ناظم آباد کراچی لاہور نے مختلف سنین میں شائع کیا۔

۶۔ "مبدا و معاد" (فارسی) یہ رسالہ حضرت مجدد کے علوم و معارف پر مشتمل ہے، اس کے مضامین متفرق مسودات کی شکل میں تھے، جن کو حضرت مجدد کے خلیفہ مولانا محمد صدیق کشمی نے ۱۰۱۹ھ میں مدون و مرتب فرمایا، اور اس کے مضامین کو "منہا" کا عنوان دے کر الگ الگ کر دیا، ان مضامین کی مجموعی تعداد اکسٹھ ۶۱ ہے، مطبوعہ نسخوں میں سب سے قدیم فارسی نسخہ مطبع انصاری دہلی ۱۳۰۷ھ کا مطبوعہ ہے، پھر متعدد بار مختلف سنین میں شائع ہوتا رہا، آخری بار ۱۳۸۸ھ میں

ادارۂ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے فارسی متن مولانا سید زوار حسین شاہ کے اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کیا، اس رسالہ "مبداو معاد" کا عربی ترجمہ شیخ مراد مکی کے قلم سے مکتوبات معرب مطبوعہ کے حاشیہ پر موجود ہے۔

۷۔ "**مکاشفات عینیہ**" یہ مجموعہ حضرت مجدد کے ایسے مسودات پر مشتمل ہے، جو بعض خلفاء نے محفوظ کر لئے تھے، حضرت مجدد کی وفات کے بعد مولانا محمد ہاشم کشمی نے ۱۰۵۱ھ میں ان کو مرتب فرمایا، یہ رسالہ پہلی مرتبہ ادارۂ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے فارسی متن اور اردو ترجمہ کے ساتھ ۱۳۸۴ھ میں شائع کیا۔

۸۔ "**مکتوبات امام ربانی**" یہ حضرت مجدد کی سب سے بڑی علمی، اصلاحی و تجدیدی یادگار اور ان وہبی کمالات مجتہدانہ و مجددانہ، مقام تحقیق و معرفت، اور ان کے دلی جذبات و احساسات کا آئینہ ہے، جن کی بنا پر ان کو مجدد الف ثانیؒ کا لقب دیا گیا، اس کے علمی مقام کو واضح کرنے اور ہندوستان کے فارسی ادب میں (جس کی اہمیت کو "سبک ہندی" کا طنزیہ نام دے کر کم نہیں کیا جا سکتا) اس کا مقام متعین کرنے اور اس کے علوم و معارف کی نقاب کشائی کے لئے ایک مستقل تصنیف درکار ہے، یہ کتاب ہندوستان کی ان منفرد تصنیفات میں شامل ہے، جن سے بیرونِ ہند کے بلند پایہ فضلاء اور راسخین فی العلم نے پورا اعتنا کیا، اس کے عربی و ترکی زبان میں ترجمے ہوئے، علمی و روحانی مرکزوں کے نصاب درس میں شامل ہوئی، اہل علم اور اہل سلوک نے اس کو حرزِ جان بنایا اور اس کی تازگی میں ابھی تک کوئی فرق نہیں آیا۔

مکتوبات کی مجموعی تعداد ۵۳۶ ہے، وہ تین دفتروں پر مشتمل ہے، دفتر اول ۳۱۳ مکتوبات پر مشتمل ہے، اس دفتر کو حضرت مجدد الف ثانی کے ایماء سے آپ کے خلیفہ حضرت مولانا

یار محمد جدید بدخشی طالقانی نے ۱۰۲۵ھ میں مرتب فرمایا، دفتر دوم ننانوے ۹۹ مکتوبات پر مشتمل ہے اور اس کو مولانا عبدالحی حصاری شادمانی نے حضرت خواجہ محمد معصوم کے ارشاد پر ۱۰۲۸ھ میں مرتب کیا، دفتر سوم ایک سو چودہ ۱۱۴ مکتوبات پر مشتمل ہے، اس کو آپ کے مشہور خلیفہ مولانا محمد ہاشم کشمی نے ۱۰۳۱ھ میں مرتب کیا، بعد میں ..... دس ۱۰ مکاتیب جو بعد کے زمانہ میں لکھے گئے ہیں، اس میں شامل کر دیئے گئے، اور اس دفتر کے جملہ مکتوبات کی تعداد ۱۲۴ ہو گئی۔

مکتوبات کے متعدد ایڈیشن مختلف وقتوں میں شائع ہوئے، پہلا ایڈیشن غالباً مطبع نولکشور لکھنؤ کا ہے، اس کے بعد متعدد ایڈیشن اسی پریس سے شائع ہوئے، اس کے بعد مطبع احمدی دہلی، مطبع مرتضوی دہلی سے بار بار شائع ہوا، ۱۳۲۹ھ میں مولانا نور احمد امرتسری نے بڑے اہتمام سے اس کا ایک عمدہ ایڈیشن شائع کیا جو بہت سی خصوصیات کا حامل ہے۔[1]

---

[1] ملخص و مقتبس از کتاب "حضرت مجدد الف ثانیؒ" از مولانا سید زوار حسین شاہ۔

INDEX

اشاریہ

(انڈکس: "تاریخ دعوت وعزیمت" حصۂ چہارم)

مرتبہ

محمد غیاث الدین ندوی

شخصیات

الف

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ۲۰۱

(حضرت) ابوذر غفاریؓ ۳۰۷، ۳۷۹

(ملا) ابراہیم بن حسن کورانی مدنی۔ ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۵۳

ابراہیم بن ناصر ۱۲۸

(الحاج) ابراہیم سرہندی ۱۳۲

(شیخ) ابراہیم غلامینی ۱۸۴

(خواجہ) ابراہیم قبادیانی۔ ۲۰۲، ۲۰۸، ۲۱۹، ۲۲۳، ۲۲۶، ۲۲۹، ۲۳۰

(سلطان) ابراہیم لودھی ۲۸

(شیخ) ابراہیم محدث اکبرآبادی ۲۹۲

(شیخ الاسلام حافظ) ابن تیمیہؒ۔ ۳۹، ۱۸۹، ۶۸۔۲۶۵

(علامہ) ابن حجر عسقلانی ۳۹، ۲۶۴

(علامہ) ابن حجر ہیتمی دیکھئے شہاب الدین احمد

ابن خلدون ۱۹۶

ابن سبعین ۲۶۶

(علامہ) ابن عابدین (علامہ شامی) ۳۷۰

(شیخ اکبر محی الدین) ابن عربی۔ ۱۶، ۳۷، ۴۳، ۱۳۵، ۲۴۳، ۲۵۱، ۶۶۔۲۶۱، ۷۳۔۲۶۹، ۲۷۵، ۷۸۔۲۷۶، ۲۸۰، ۸۵۔۲۸۲، ۲۸۹، ۳۰۸

۳۳۶، ۳۴۲، ۳۴۸

ابن فارض ۲۷۱

(امام) ابن ماجہ قزوینی ۶۴

(شاہ پیر) ابواحمد مجددی ۱۸۴، ۳۶۸، ۳۷۵

(شیخ) ابوبکر بن عبداللہ ۳۳

(حضرت) ابوبکر شبلی ۲۵۰

(شیخ) ابوبکر عیدروسی ۲۷۰

ابوتراب ۷۵

(مولانا) ابوالحسن زید فاروقی مجددی ۲۲، ۱۲۷، ۱۷۴، ۲۶۴، ۲۷۳، ۳۷۶

ابوالحسن شافعی بکری ۴۳

ابوالحسن نوری ۲۵۰

(امام) ابوحنیفہ ۱۳۵، ۱۷۶، ۲۵۰

(علامہ) ابوحیّان مفسّر ۲۶۴

(علامہ) ابوحیان نحوی ۳۹

(شاہ) ابوالخیر مجددی ۲۲، ۳۷۴، ۳۷۶

(شیخ) ابوالخیر میدانی ۱۸۴

(امام) ابوداؤد سجستانی ۶۴، ۱۸۵

(حافظ) ابوزرعہ ۲۶۵

(شیخ محمد) ابوزہرہ ۱۹۱

(مفتی) ابوالسعود ۳۱، ۴۰

(سلطان) ابوسعید ۷۴

(شاہ) ابوسعید ۳۶۹، ۳۷۲، ۳۷۴، ۳۸۰

(شیخ) ابوطاہر کردی ۴۲ — ۳۴۰

(حافظ) ابوعبدالرحمٰن نسائی ۶۴

(امیر) ابوالعلاء اکبرآبادی ۱۴۷

(امام) ابوعیسیٰ ترمذی ۶۴

(امیر) ابوالفتح ۲۹۳، ۳۲۵

ابوالفتح ابن اسحاق ۱۲۸

(حکیم) ابوالفتح گیلانی ۴۱، ۹۲

(شیخ) ابوالفتح نصر منجبی ۲۶۶

ابوالفضل علّامی ۶۹، ۸۰، ۹۲، ۹۳، ۹۵

۹۸ — ۱۰۰، ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۲۵، ۱۴۰، ۱۸۷

ابوالفضل گاذرونی ۹۳

(امام) ابوالقاسم قشیری ۲۴۲

(مولانا) ابوالکلام آزاد ۵۵

(شیخ) ابوالنصر سراج ۲۴۲

(قاضی) ابویوسف ۹۱، ۲۵۰

(سید) احمد بجواڑہ ۲۳۳، ۲۳۴

(شیخ) احمد برسی ۱۵۵

(مولانا) احمد برکی ۱۵۴، ۱۵۵، ۳۵۶

(شیخ) احمد بغدادی قادری ۳۶۸

احمد الہشیشی الشافعی ۳۴۶

(امام) احمد بن حنبل ۳۰۷

احمد بن محمد حسینی غرغشتی ۲۹۵

(علامہ) احمد بن محمد قسطلانی ۴۰

احمد بن یوسف ۱۲۸، ۱۲۹

احمد حسین خاں ۱۲۸

(سرسید) احمد خاں ۳۶۷

(مولانا) احمد دیلنی ۳۵۶

(حضرت مجدد الف ثانی) احمد سرہندی ۔ ۱۶-۱۲، ۱۹
۲۵-۲۲، ۲۹، ۳۷، ۳۸، ۶۷، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۱
۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۵، ۱۴۲-۱۳۷، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۵۰
۵۳-۱۵۱، ۱۵۶، ۱۷۰-۱۵۸، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۸۲
۱۸۵، ۸۹-۱۸۷، ۱۹۳، ۲۰۰، ۲۰۶، ۲۱۰، ۲۱۱
۲۱۸، ۲۲۴، ۲۳۲، ۲۴۵، ۵۲-۲۵۰، ۲۵۶
۲۶۰، ۲۷۱، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۸۳، ۸۹-۲۸۷
۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۸، ۲۹۹،
۴-۳۰۲، ۳۰۸، ۳۱۳، ۲۰-۳۱۵، ۳۲۳
۳۲۵، ۳۲۷، ۳۵-۳۳۳، ۴۴-۳۳۷، ۳۴۶
۵۳-۳۴۷، ۶۰-۳۵۵، ۳۷۰، ۳۷۶، ۳۷۷
۸۸-۳۸۴
(مفتی) احمد سرہندی ۱۳۲
(شاہ) احمد سعید ۱۸۳، ۷۶-۳۷۲
(حضرت سید) احمد شہید ۱۲، ۲۵۲، ۲۸۹
۳۷۷، ۸۳-۳۸۱
(شیخ) احمد قشاشی ۳۴۱
(میر سید) احمد کاشی ۶۹
(شیخ) احمد گنگوہی ۸۹
(مولانا) احمد اللہ ۳۸۴
(مولانا سید خواجہ) احمد نصیر آبادی ۳۸۰
(شیخ) احمد لیسوی ۱۴۴
اخوند درویزہ ۵۰
(حضرت سید) آدم بنوری ۔ ۱۶۱، ۲۸۹، ۲۹۰،
۳۳۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۶۰-۳۵۸، ۸۰-۳۷۷
ارسطو ۲۱۰
(ڈاکٹر) آرنلڈ ۱۶۴
اے، سی چٹرجی ۱۰۷
اسٹینلی لین پول ۳۳۳
اسحاق بن عبداللہ ۱۲۸
(شاہ) اسحاق دہلوی ۳۷۷
(مولوی) اسحاق جلیس ندوی ۱۹
، سفندیار ۶۴
اسکندر منشی ۶۴، ۶۹
(مولانا شاہ) اسماعیل شہید ۱۲، ۲۵۲، ۳۷۷
(شاہ) اسماعیل صفوی ۲۶، ۴۵
(قاضی) اسماعیل فرید آبادی ۲۶۲
اسماعیل نظام شاہ ۵۶

(حضرت مولانا) اشرف علی تھانوی ۳۸۱

(مخدوم) اعظم دہبیدی ۱۴۴

(شیخ) افتخار ۱۴۴

افلاطون ۲۱۰

(علامہ) افضل خاں ۱۶۳، ۳۳۰

(علامہ) اقبال ۱۱، ۱۶، ۸۶، ۱۸۷، ۲۱۱، ۳۳۳

اقبال بن سابق سیستانی ۲۷۲

(سلطان جلال الدین) اکبر ۔ ۲۱، ۲۶، ۲۸، ۲۹، ۳۵، ۳۷، ۴۱، ۴۶، ۵۰، ۵۷، ۷۷ ۔ ۶۷، ۷۹، ۸۲، ۸۷ ۔ ۸۵، ۹۲ ۔ ۸۹، ۹۴، ۱۰۴ ۔ ۹۶، ۱۰۶، ۱۵۶، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۸۷، ۱۹۰، ۹۶ ۔ ۲۹۱، ۳۰۲ ۔ ۳۰۰، ۳۰۴، ۳۱۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۹

(شیخ) اللہ بخش ۳۶

(مولانا) الہ داد بن صالح سرہندی ۱۳۲، ۱۳۵

(شیخ) الہ داد دہلوی ۱۴۸

(حضرت مولانا محمد) الیاس کاندھلوی ۳۸۱

الیٹ (ELLIOT) ۷۱، ۷۲

(شاہ) امام علی مکانوی ۳۷۳

(مولانا) امان اللہ ۱۳۲

امان اللہ خاں ۳۷۶

(مولانا) امان اللہ لاہوری ۳۵۶

(حضرت حاجی) امداد اللہ مہاجر مکی ۳۸۱

(خواجہ) امکنکی دیکھئے محمد

امینول کانٹ ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۸

(سید) آیت اللہ ۳۷۹، ۳۸۰

(ب)

(شیخ) بابا کبروی ۱۴۴

(سلطان ظہیر الدین محمد) بابر گورگانی ۲۷، ۲۸، ۷۴، ۷۸، ۸۶، ۱۵۷، ۳۰۰

(ملا) باقر داماد ۶۱

(حضرت خواجہ) باقی باللہ ۱۲، ۶۸، ۹۴، ۴۳ ۔ ۱۴۱، ۱۴۷ ۔ ۵۰، ۱۵۳ ۔ ۵۵، ۱۵۸، ۱۸۲، ۲۲۹، ۲۷۶، ۲۸۰، ۳۰۲، ۳۰۴، ۳۴۸، ۳۸۶

(مولانا) بایزید ۷۷

بایزید انصاری (پیر روشاں) ۴۸ ۔ ۵۱، ۳۰۱

(حضرت) بایزید بسطامی ۲۶۱

(شیخ) بایزید قصوری ۳۷۸

بدایونی دیکھئے عبدالقادر

(علامہ) بحرق ۲۷۰
(مولانا) بدرالدین ۱۳۲
(شیخ) بدرالدین سرہندی ـ ۱۷۰، ۱۷۵، ۱۸۱
۳۳۷، ۳۵۶
(شیخ) بدیع الدین سہارنپوری ـ ۱۵۵، ۱۵۹، ۲۵۰
۳۵۶
(شیخ) بدیع الدین مدار مکن پوری ۳۴، ۱۶۶
(ڈاکٹر) برنیر ۳۲۲
برہان نظام شاہ ۴۵، ۵۶
برہم داس ۹۲
(مولانا) بشارت اللہ بہرائچی ۳۶۸
بلیانی ۲۶۶
بہادر شاہ ۷۸
(راجہ) بہاری مل ۱۰۱
بہاء الدین بن ابراہیم انصاری ۳۴
(خواجہ) بہاء الدین نقشبند ۱۴۳، ۱۴۴
(قاضی) بہلول بدخشانی ۱۳۹
(راجہ) بھگوان داس ۱۰۱
(راجہ) بیربل ۵۲، ۹۲، ۳۰۱
بیرم خانِ خاناں ۴۶، ۷۷

(علامہ) بیہقی ۳۶۶

(پ)

پاپا ۸۲
پارفری (PARPHYRY) ۱۹۲، ۲۱۵
پراکلس (PROCLUS) ۱۹۲، ۲۱۵
پلاٹینس (PLOTINUS) ۲۱۵
پیٹر ہارڈی (PETER HARDY) ۲۸۸
پیر روشاں دیکھئے بایزید

(ت ٹ ث)

(شیخ) تاج الدین سلطان سنبھلی ۱۴۸، ۳۴۴
(مولانا) تجمل حسین بہاری ۳۶۵
(شیخ الاسلام) تقی الدین ابن دقیق العید ۳۹
تلمسانی ۶۸ـ۲۶۶
(راجہ) ٹوڈرمل ۱۰۵
(قاضی) ثناء اللہ پانی پتی ۳۳۷، ۳۶۶

(ج)

جادوناتھ سرکار ۳۳۳
(مولانا عبدالرحمٰن) جامی ـ ۴۱، ۶۳، ۷۴، ۲۷۲
(مرزا) جان ۳۶۶

(قاضی) جلال ۷۲، ۸۴
(سید) جلال الدین بخاری ۱۳۰
(علامہ) جلال الدین محقق دوّانی ۴۰، ۴۱
(مولانا) جلال الدین رومی ۶۳، ۱۲۹، ۱۴۱
(علامہ) جلال الدین سیوطی ۳۹، ۴۳
جمال خاں مہدوی ۵۶
(علامہ) جمال الدین ابوالحجاج مزّی ۳۹
(مولانا) جمال الدین تلوی ۱۵۳
(خواجہ) جمال الدین حسین ۲۸۳
(علامہ) جمال الدین محمد بن عبدالرسول برزنجی۔ ۳۴۱
۳۴۲، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۵۳
(رانی) جودھا بائی ۷۳، ۱۰۱
(خان) جہاں خاں لودھی ۱۶۱، ۱۶۶
(سلطان نورالدین) جہانگیر۔ ۲۶، ۲۹، ۷۴۔۷۲
۷۶، ۷۷، ۱۰۱-۹۹، ۶۱-۱۵۶، ۱۶۴، ۶۸-۱۶۶
۲۹۱، ۹۷-۲۹۴، ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۸، ۱۳-۳۱۱
۱۹-۳۱۶

(چ)

(شیخ) چائیں لدہ سہنوی ۳۷

(ح)

(حضرت) حسّان رضؓ ۲۵۹
(نواب صدر یار جنگ مولانا) حبیب الرحمٰن خاں شروانی ۳۶۵
(شیخ) حبیب اللہ بخاری ۳۵۸
حبیب اللہ بن امام رفیع الدین ۱۲۸
(خواجہ) حسام الدین احمد دہلوی ۹۴، ۱۶۸، ۲۶۰
۳۳۹
(شیخ) حسام الدین بدخشی ۱۴۸
(شیخ) حسن برکی ۱۵۶، ۳۵۶
(حضرت) حسن بصری ۵۸، ۱۴۱
حسن بن صبّاح ۶۴
حسن بن محمد مراد تونسی مکی ۳۴۶
(شیخ) حسن خاں ۱۵۸
(ملا) حسن کشمیری ۱۲۷، ۱۴۲، ۱۴۳، ۲۵۱
(شیخ) حسن عجمی ثم المکی ۳۴۰
(شیخ) حسین اجمیری ۲۹۲
(حضرت مولانا) حسین احمد مدنی ۳۸۱
حسین بن منصور حلّاج ۲۶۱، ۳۴۸
(شیخ) حسین خوارزمی ۶۸، ۱۳۹

(مولانا) حسین علی شاہ ۳۷۳
(سید) حسین خنگ سوار ۷۳
(خواجہ) حسین مروی ۹۶
حشمت علی خاں ۳۸۵
حفص بن عاصم ۱۲۸
(شیخ) حمید بنگالی ۱۵۵، ۳۵۶
(مولانا) حیاتی کاشی ۶۷

خ

(حضرت) خضرؑ ۲۷۴
(مولانا) خالد رومی کردی ۱۸۳، ۷۲- ۳۶۷
(مولانا) خالد شہرزوری ۳۵۴
(مولانا) خالد نقشبندی ۱۸۳
خان اعظم مرزا کوکہ ۱۲۱، ۱۶۶، ۳۰۰، ۳۰۲، ۳۰۸
خان جہاں لودھی ۳۰۲
خانِ خاناں دیکھئے عبدالرحیم
خان زماں ۷۳
(شہزادہ) خرم دیکھئے شاہجہاں
(حاجی) خضر خاں افغانی ۳۵۶
خضر روغانی ۳۵۸
(حضرت مولانا) خلیل احمد سہارنپوری ۳۸۱
(پروفیسر) خلیق احمد نظامی ۲۲، ۵۹، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۴۶
خلیفہ عبدالحکیم ۲۱۱
(دیوان) خواجہ احمد نصیر آبادی ۳۷۸
خواجہ جہاں ۳۱۵
خوافی خاں دیکھئے شاہ نواز خاں
خیرالدین زرکلی ۳۴۱، ۳۴۲

د ڈ ذ

(مرزا) داراب ۱۶۱، ۳۱۶
داراشکوہ ۲۳-۳۲۱
(شہزادہ) دانیال ۹۶
(شیخ) دانیال ۵۲
(امام) داؤد ظاہری ۲۶۹
(شیخ) دوست محمد قندھاری ۳۷۳
دولت خاں لودھی ۳۱۰
(میجر) ڈیوڈ برائس ۱۰۰
ڈبلو، ایچ، مورلینڈ ۱۰۷
(شمس العلماء مولوی) ذکاء اللہ دہلوی ۳۲-۳۲، ۵۶، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۸

(ر)

(شیخ) راجح بن داؤد گجراتی ۴۳

(امام) رازی ۹۱

(شیخ) راشد ۲۷۶

رانا سانگا ۸۶

رجاء بن حیوہ ۹۱

رچرڈ برن (RICHARD BURN) ۳۲۱

(محدث) رحمۃ اللہ سندھی ۴۱

رستم ۶۴

(مولانا) رشید احمد گنگوہی ۳۷۵، ۳۷۷، ۳۸۱

(امام) رفیع الدین ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۳۱

(شاہ) رفیع الدین دیوبندی ۳۷۵

رکن الدین ۱۳۳، ۱۳۴

(الملک الظاہر) رکن الدین بیبرس الجاشنگیر - ۲۱۶، ۲۶۶

(مولانا) روم دیکھئے جلال الدین

(شاہ) رؤوف احمد مجددی - ۱۸۴، ۶۹ - ۳۶۷، ۳۷۹

(ز)

الزرکلی دیکھئے خیر الدین

(شیخ الاسلام) زکریا انصاری ۴۰

(شیخ الحدیث مولانا محمد) زکریا کاندھلوی ۳۸۱

زماں شاہ ۳۶۴

(مولانا سید) زوّار حسین - ۱۶۸، ۳۵۶، ۳۸۵، ۳۸۷، ۳۸۸

زین خاں ۵۲، ۳۰۱

(مولانا) زین الدین محمود کمان گر بہدائی ۴۱

زین العابدین بن عبد الحی ۱۲۸

(شیخ) زین العابدین طبری ۳۴۱، ۳۴۴

(س)

ستیش چندر ۳۲۳

(علامہ) سخاوی دیکھئے شمس الدین

(خواجہ) سراج الدین ۳۷۳

(شیخ الاسلام) سراج الدین بلقینی ۲۶۵

سرمد ۳۲۳

(شیخ) سعد بن علی السوینی باندج السعید ۳۳

(علامہ) سعد الدین تفتازانی ۲۶۵

(حضرت شاہ) سعد اللہ ۳۶۸

(صوفی) سعد اللہ افغانی ۳۲۴

(شیخ) سعد اللہ بلخاوی لاہوری ۳۷۸

(جملۃ الملک) سعد اللہ خاں علّامی ۳۲۰، ۳۵۹

(شیخ) سعدی ۲۱۹

سعید پاشا ۳۷۱

(شاہ) سکندر ۱۳۵

سکندر لودھی ۳۲،۲۹

سلطان اعظم ۹۷

(شیخ) سلطان بلیاوی بہاری ۳۷۸، ۳۸۰

(شیخ) سلطان تھانیسری ۱۴۰، ۲۹۲

سلطان سلیم اول ۲۵، ۳۰

سلیمان اسماعیل ۴۹

سلیمان اعظم قانونی (سلیمان ذی شان) ۲۵، ۳۰

سلیمان بن عبدالملک ۹۱

سلیمان بن مسعود ۱۲۸

سلیمان بن یوسف ۱۲۸

سلیمان جیتوا ۳۴۱

سلیمان مرزا ۲۸

(مولانا سید) سلیمان ندوی ۱۸۵

(شہزادہ) سلیم دیکھئے جہانگیر

(شیخ) سلیم چشتی ۷۳

سلیم شاہ ۲۹، ۳۳، ۵۴، ۵۸، ۳۰۱

سیتلا (دیوی) ۳۲

(خواجہ) سیف الدین ۱۸۳، ۲۷-۳۲۴، ۶۳-۳۶۰

ش

(امام) شاطبی ۲۵۶

(علامہ) شامی ۱۸۳

(مرزا) شاہ بیگ ۵۴

شاہجہاں (شہزادہ خرم) ۲۶-، ۵۲، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۷، ۱۶۹، ۲۱-۳۱۹، ۳۳۱

(صمصام الدولہ میر عبدالرزاق) شاہ نواز خاں (خوافی خاں) ۴۶، ۷۵، ۱۵۰، ۲۹۳

شہباز خاں کمبوہ ۲۹۳

(مولانا) شبلی نعمانی ۹۶، ۹۸

(مخدوم الملک حضرت) شرف الدین یحیی منیری ۱۴-، ۲۳۲، ۲۷۳، ۳۰۳

شرف الدین حسین بدخشی ۷۳، ۳۱۶

(میر) شریف آملی ۴۶، ۶۷، ۶۸، ۹۲

شریف مرتضیٰ ۱۹۱

شریف مکہ ۷۵

(شیخ محمد) شریف شاہ آبادی ۳۷۸

شعیب بن احمد ۱۲۸

(مولوی) شمس تبریز خاں ۲۱
(علامہ) شمس الدین ذہبی ۳۹
(علامہ) شمس الدین سخاوی ۳۹، ۴۳، ۲۶۴
(میر) شمس الدین عراقی ۴۵
(علامہ) شہاب الدین احمد بن حجر مکی ۴۳
(علامہ) شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی ۴، ۸۹، ۱۰۵، ۱۳۲، ۱۳۹
(شیخ الشیوخ) شہاب الدین سہروردی ۶۳، ۱۳۰، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۴۳
شہاب الدین احمد فرخ شاہ ۳۰ - ۱۲۸
(علامہ) شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی ۳۵۳
شہرزوری ۲۱۶
شہنشاہ روم ۲۱۵
(قاضی) شیخ الاسلام ۹۱
(علامہ) شیرازی دیکھئے فتح اللہ شیرازی
شیر شاہ سوری ۲۹، ۵۴، ۳۰۱
(مولانا) شیر علی قادری ۱۳۲
شیطان - ابلیس ۲۲۰، ۲۶۹، ۳۱۴

ص

(دکتر) صادق ۶۶
(شیخ محمد) صادق مجددی ۳۷۶
(مولانا) صالح کولابی دیکھئے محمد صالح
صالحہ خاتون ۱۳۷، ۲۵۲
(سید) صباح الدین عبدالرحمٰن ۱۰۰
(سید) صدر جہاں پہانوی - ۱۵۷، ۱۶۶، ۳۰۲، ۳۱۲، ۳۱۳
(میر) صدر جہاں مفتی ۱۲۰
صدر الدین قونوی ۲۵۱، ۲۶۶
(میر) صغیر احمد رومی ۳۵۶
(نواب سید) صدیق حسن خاں ۳۸۳
(سلطان) صلاح الدین ایوبی ۲۴
(شیخ) صفی الدین ۶۳
(شیخ) صوفی ۲۷۶، ۲۷۹

ض

(سید محمد) ضیاء ۳۸۰
(حضرت شاہ) ضیاء اللہ ۳۶۴
(شیخ) ضیاء اللہ اکبر آبادی ۳۶
(شیخ) ضیاء اللہ گوالیاری ۷۴
(حضرت سبد شاہ) ضیاء النبی ۳۸۰

(ط)

طاہر بدخشی ۱۵۴، ۱۵۵، ۳۵۶

(علامہ محمد) طاہر مٹنی ۵۷، ۲۴۴

(محدث) طاہر بن حسین الاہدل ۴۱

(شیخ) طاہر بن رضی اسماعیل قزوینی ۴۵

(مولانا) طاہر لاہوری ۔ ۱۵۳، ۱۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۹

(محقق) طوسی ۱۹۱

(شاہ) طہماسپ ۲۸، ۲۹، ۴۵

(ظ)

(الملک) الظاہر دیکھئے رکن الدین

(مرزا) ظفر اللہ خاں ۳۷۳

(مولانا سید) ظہور الاسلام فتحپوری ۳۶۵

ظہیر الدین فاروقی ۳۲۳، ۳۳۱

(ع)

(ڈاکٹر سید) عابد حسین ۲۱۱

عارف علی ۳۶

(حضرت) عاصم بن عبداللہؓ ۱۲۸

(سلطان اورنگ زیب) عالمگیر ۔ ۲۱، ۱۶۴، ۱۸۴، ۱۸۶، ۲۹۵
۳۲۱، ۳۲۳ ۔ ۲۷، ۳۲۹ ۔ ۳۱، ۳۳۳، ۳۴۹ ۔ ۵۲، ۳۶۱
۳۶۶، ۳۷۹

(شاہ) عباس اول ۳

(شاہ) عباس صفوی ۲۶، ۶۷، ۶۹

(مولوی) عبدالاحد ۳۸۳

(مخدوم شیخ) عبدالاحد ۳۸، ۱۲۸، ۱۳۳، ۱۳۴

(حضرت) عبدالاحد وحدت (شاہ گل) ۳۷۳

(مولانا) عبدالباری ندوی ۱۸۵

(مولانا) عبدالحق ۴۸

(مولانا) عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی ۳۷۵

(شیخ) عبدالحق شادمانی ۱۵۵

(شیخ) عبدالحق محدث دہلوی ۱۵۸، ۳۳۷

(شیخ) عبدالحکیم ۳۷۹

(علامہ) عبدالحکیم سیالکوٹی ۱۳۹

(میر) عبدالحی ۱۲۰

(مولانا حکیم سید) عبدالحی حسنی ۔ ۴۲، ۹۱، ۱۴۷، ۳۳۲، ۳۵۰
۳۶۰، ۳۶۵

(شیخ) عبدالحی حصاری شادمانی ۱۵۶، ۳۵۶، ۳۸۸

عبدالحی بن محمد ۱۲۸

(شیخ) عبدالرحمٰن بن فہد ۱۳۹

عبدالرحمٰن جامی دیکھئے جامی

(خواجہ) عبدالرحمٰن مفتی کابلی ۱۶۳، ۲۵۹، ۲۶۰

(مفتی) عبدالرحمٰن ۳۲۰
(قاضی) عبدالرحیم ۱۰۲
عبدالرحیم خانخاناں ــ ۵۷، ۱۵۳، ۱۵۷، ۱۶۱، ۱۶۶
۲۳۷، ۲۳۸، ۲۹۲، ۳۱۵، ۳۱۶
(حضرت شاہ) عبدالرحیم رائے پوری ۳۸۱
(حضرت حاجی) عبدالرحیم شہید ولایتی ۳۸۱
(مولانا) عبدالرحیم صادق پوری ۳۸۴
(شاہ) عبدالرحیم فاروقی ۳۸۰
(میر) عبدالرزاق دیکھئے شاہ نواز خاں
(شاہ) عبدالرزاق جھنجھانوی ۳۷، ۲۱۷
(شیخ) عبدالرزاق کاشی ۲۵۱
(شاہ) عبدالرشید ۳۷۴
(مولانا) عبدالسلام ندوی ۲۱۸
(مولانا شاہ) عبدالسلام واسطی ہسوی ۳۷۳، ۳۷۵
(مولانا) عبدالشکور فاروقی ۱۶۵، ۳۷۰
(مولانا) عبدالصمد حسینی ۱۳۲
(خواجہ) عبدالعدل ۳۶۴
(وزیر) عبدالعزیز آصف خاں ۹۱
(شیخ) عبدالعزیز شکر بار ۳۷، ۲۷۱
(شاہ) عبدالعزیز محدث دہلوی ــ ۳۳۷، ۳۶۹، ۳۷۴، ۳۷۷، ۳۸۱، ۳۸۲
(علامہ) عبدالعلی بحرالعلوم فرنگی محلی ۲۶۲، ۲۶۴
(ڈاکٹر سید) عبدالعلی حسنی ۱۱
(مولانا) عبدالغفور لاری ۴۱
(شاہ) عبدالغنی محدث دہلوی ۔ ۳۶۸، ۳۷۴، ۳۷۵
(شیخ) عبدالقادر اُچی ۲۹۳، ۲۹۴
(ملا) عبدالقادر بدایونی ۲۰، ۳۷ــ۳۵، ۵۴، ۶۸، ۷۰، ۷۱، ۷۵ــ۷۳، ۷۷، ۸۴، ۹۱ــ۸۷، ۹۵، ۹۷، ۹۸، ۱۰۲، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۲۲، ۱۳۲
(حضرت شیخ) عبدالقادر جیلانی ــ ۳۶، ۳۸، ۶۳، ۱۳۵، ۱۴۱، ۲۴۳، ۳۳۸، ۳۶۵
(شاہ) عبدالقادر دہلوی ۳۶۴
(حضرت مولانا) عبدالقادر رائے پوری ۳۸۱
عبدالقادر طبری ۳۴۱
(شیخ) عبدالقادر لاہوری ۲۹۴
(شاہ) عبدالقادر مہربان فخری میلاپوری ۲۶۲
(شیخ) عبدالقدوس گنگوہی ۔ ۳۷، ۷۴، ۸۹، ۱۳۳، ۱۳۴، ۲۷۱
(شیخ) عبدالکبیر یمنی ۱۲۷، ۲۵۱

عبداللہ (والد پیر روشاں) ۴۸

(خواجہ) عبداللہ۔ عرف خواجہ خورد ۱۴۹، ۱۵۰، ۲۱۳

۲۶-۲۲۴، ۲۲۹، ۲۳۶، ۲۴۵، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۷

۲۵۸، ۲۸۳، ۳۵۶

(مولانا شاہ) عبداللہ ۳۶۸

عبداللہ احراری ۱۴۷

(حافظ سید) عبداللہ اکبر آبادی۔ ۳۷۸، ۳۸۰، ۳۸۱

(امیر) عبداللہ ملجی ۱۴۴

(شیخ) عبداللہ خویشگی قصوری (عبدی)۔ ۳۴۶، ۳۴۷

(مخدوم الملک مولانا) عبداللہ سلطانپوری۔ ۹۱-۸۸

۹۴، ۱۰۵، ۱۳۲، ۱۳۴

عبداللہ بن ابی بکر حضرمی ۲۷۰

عبداللہ بن شعیب ۱۲۸

(حضرت) عبداللہ بن عباسؓ ۳۴۱

(حضرت) عبداللہ بن عمرؓ ۱۲۸

(حضرت) عبداللہ بن مبارک ۸۷

(مولانا) عبدالرحیم قندی ۳۸۴

(شاہ) عبدالرشید سندیلوی ۳۷

(شیخ) عبداللہ شطاری خراسانی ۳۴

(شیخ) عبدالرحمٰن مرداد ابوالخیر ۳۴۲

(میر) عدل ۱۲۰

(مولانا) عبدالرشید نیازی مہدوی ۱۳۲

عبداللہ الواعظ الاصغر ۱۲۸

عبداللہ الواعظ الاکبر ۱۲۸

(مولانا) عبدالماجد دریابادی ۱۶۴، ۲۴۳

(حکیم) عبدالمجید سیفی ۳۸۶

(شیخ) عبدالنبی گنگوہی (صدر الصدور)۔ ۷۴، ۹۱-۸۹

۹۴، ۹۶، ۱۰۲، ۱۰۵

عبدالنبی جالندھری ۳۷۸

(مولانا) عبدالواحد لاہوری ۳۵۶

(قاضی شیخ الاسلام) عبدالوہاب گجراتی ۳۴۹

(شیخ) عبدالہادی فاروقی بداؤنی ۳۵۶

(شیخ خواجہ) عبید ۱۴۴

عبیداللہ بن اسکندر ۲۷

(خواجہ ناصر الدین) عبیداللہ احرار۔ ۷۴، ۱۴۴، ۱۴۹، ۱۵۰

۲۱۳، ۲۶-۲۲۴، ۲۲۹، ۲۳۶، ۲۴۹، ۲۵۰،

۲۸۳، ۲۹۹

(خواجہ) عبید المعروف خواجہ کلاں ۶۸، ۶۹، ۹۴، ۳۵۶

عبیداللہ بن محمد ۲۷

(حضرت سیدنا) عثمانؓ ۳۶۰، ۳۷۲

(خواجہ) عثمان دامانی ۳۷۳

(شیخ) عثمان سند ۳۷۱

(شیخ الاسلام) عزالدین بن عبدالسلام ۲۶۵

(مرزا) عزیزالدین دہلوی۔ ۵۷، ۱۶۱، ۲۹۴، ۳۰۸

(مفتی) عزیزالرحمٰن دیوبندی ۳۷۵

(ملّازادہ) عصام الدین ابراہیم ۷۷

(شیخ) العلاء البخاری ۴۳

(شیخ) علاء بن حسن البیانوی (شیخ علائی)۔ ۵۴، ۵۵

(شیخ) علاء الدولہ سمنانی ۲۷۱، ۲۷۲

(علامہ) علاء الدین الباجی ۳۹

(حضرت شاہ) علم اللہ حسنی ۲۸۹، ۸۰۔۳۷۸

(مولانا میر) علی ۱۳۲

(شیخ) علی بن قوام جونپوری (علی عاشقان) ۳۴، ۳۶

۱۳۲، ۱۳۵

علی بن یحییٰ ۳۴۱

(سید) علی ترمذی (پیر بابا) ۵۰

(نواب) علی حسن خاں ۳۶۵

(مولانا) علی شیر ۱۳۲

(ملا) علی قاری ۴۰، ۲۶۵

(شیخ) علی گیلانی ۲۹۳

(علامہ) علی متقی (علی بن حسام الدین المتقی برہانپوری)

۴۰، ۴۳، ۲۴۴، ۳۷۵

علی محمد مخلص ۵۰

(حضرت سید) علی ہجویری (داتا گنج بخش) ۲۴۲

(علامہ) عماد بن محمود طارمی ۴۰، ۴۱

(حضرت) عمر بن حفص ۱۲۸

(سید) عمیر ۳۴۵

(حضرت) عمر بن عبدالعزیزؓ ۳۲۷

عمر شیخ مرزا ۷۴

(مفتی) عنایت احمد کاکوروی ۳۸۲

(مولانا) عنایت علی غازی ۳۸۴

(شیخ) عیسیٰ بن قاسم سندی ۳۷

(شیخ) عیسیٰ محمد بن مغربی جعفری ۴۵-۳۴۱

غ

(مرزا) غالب ۲۸۴

(امام) غزالی طوسی ۶۳، ۹۱، ۲۰۴

(مولانا) غلام رسول مہر ۳۷۸، ۳۸۲
(مفتی) غلام سرور ۳۲۶
(حضرت شاہ) غلام علی بٹالوی دہلوی ۱۸۳، ۳۳۸
۳۶۳، ۳۶۴، ۶۸-۳۶۶، ۳۷۰، ۳۷۲
۳۷۹، ۳۸۱
(شیخ) غلام محمد ۱۳۷
(ڈاکٹر) غلام مصطفیٰ خاں ۳۸۵
(مولانا) غلام یحییٰ بہاری ۲۸۹، ۳۶۶
غیاث الدین شاہ خلجی ۵۳
(علامہ) غیاث الدین منصور ۴۲-۴۰

(ف)

(حضرت) فاروق اعظم رضؓ (عمر رضؓ) ۱۲۷، ۱۲۸
(خواجہ) فتح اللہ ۱۳۱
(شاہ) فتح اللہ سہارنپوری ۳۷۸
(میر) فتح اللہ شیرازی ۴۲، ۱۲۱
(شاہ) فتح محمد فتحپوری ۱۵۸
فداعلی طالب ۱۲۲
(مولانا) فرخ حسین ہروی ۱۵۴، ۳۵۶
فرخ شاہ دیکھئے شہاب الدین
فرعون ۲۰۱، ۲۶۹
(سید) فرید ۳۰۸
(سید شیخ) فرید دیکھئے مرتضیٰ
(شیخ) فریدالدین گنج شکر ۷۲، ۱۲۸
(علامہ) فضل حق خیرآبادی ۳۸۲
(مولانا) فضل رحمٰن گنج مرادآبادی ۳۶۳، ۳۶۴
(نورالمشائخ) فضل عمر مجددی (شیرآغا) ۳۷۶
فلاطینس (POLOTINUS) ۱۹۲
فلمش پادری ۳۲۲
فولاد ۷۳
فیروز تغلق ۳۲، ۱۳۰، ۱۳۱
(ابوالفیض) فیضی ۹۲، ۹۳، ۹۸-۹۵، ۱۰۴، ۱۴۰، ۱۸۷

(ق)

(مولانا) قاسم علی ۳۵۶
قاضی خاں ۳۲، ۴۹
قاضی قصور ۳۴۷
قانصوہ غوری ۲۵
(صوفی) قربان ۲۴۸

(شیخ) قطب بینادل ۳۸
قطب جمال ۷۳
(مولانا) قطب الدین ۱۳۲
(حضرت خواجہ) قطب الدین بختیار کعکی ۶۳
(علامہ) قطب الدین شیرازی ۲۱۶
(علامہ) قطب الدین نہروالی ۴۰
قلیچ خاں ۱۶۱، ۳۱۵

ک

کاراڈی وا ۹۹
کبیر ۳۲۲
(شیخ) کریم الدین بابا حسن ابدالی ۱۵۶، ۳۵۶
(خواجہ) کلاں دیکھئے عبیداللہ
(نواب) کلب علیخاں رامپوری ۳۷۴
(شاہ) کلیم اللہ جہان آبادی ۳۲۶
(شیخ) کمال الدین ۳۸
(مولانا) کمال کشمیری ۱۳۹
(شاہ) کمال کیتھلی ۱۳۴، ۱۳۸، ۳۵۹

گ

گل محمد ۳۶۸

ل

(بابا) لال داس بیراگی ۳۲۲
لالہ بیگ جہانگیری ۳۰۲، ۳۱۱
(شیخ) لشکر محمد برہانپوری ۳۶، ۳۷
(مولانا) لطف اللہ ۱۴۴

م

آنحضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ۔ ۶۴، ۱۰۲، ۱۲۴، ۱۶۷، ۱۷۱، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۹۰، ۱۹۴، ۲۰۱، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۴۰ ـ ۴۳، ۲۵۱، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۷، ۲۵۹، ۳۰۵، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۴۷، ۳۵۸، ۳۷۹
حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۶۹
(امام) مالک ۲۵۳
(خلیفہ) مامون الرشید ۷۸
(راجہ) مان سنگھ ۵۲، ۳۰۱
مانی ۶۴
ماہم آنکہ ۷۳
(ملا) مبارک ناگوری ۶۹، ۹۵ ـ ۹۲، ۱۰۴، ۱۲۵، ۱۸۷
(مولانا) مجدالدین ۱۳۲
(میر) محب اللہ ۲۵۸

(شیخ) محب اللہ الہ آبادی ۱۶۱، ۲۷۱

(سید) محب اللہ مانکپوری - ۱۵۶، ۲۳۸، ۲۳۹، ۳۵۶

(میر) محبوب علی خاں نظام دکن ۳۶۵، ۳۶۸

(ملا) محسن خانی ۵۱

(امام) محمد ۲۵۰

(حضرت سید) محمد (ابن حضرت شاہ علم اللہ رح) ۳۷۹

(شاہ) محمد ۱۳۷

(ملا) محمد (بانی فرقۂ ذکریہ) ۴۷

(سید) محمد برزنجی دیکھئے جمال الدین محمد

(سید) محمد جونپوری ۵۲، ۵۵، ۵۶

(شیخ) محمد چشتی ۲۴۸

(شیخ) محمد شطاری ۳۴

(سلطان) محمد غوری ۱۳۱

(مولانا حاجی) محمد لاہوری ۱۵۳، ۲۴۷

(مولانا) محمد ابراہیم (ابن نور المشائخ) ۳۷۶

(پروفیسر) محمد اسلم ۶۶، ۳۲۳، ۳۲۵

(قاضی) محمد اسلم ہروی ۴۲

(شیخ) محمد اشرف ۱۸۲

(شاہ) محمد آفاق ۳۶۲

محمد اقبال مجددی ۳۴۶

(شیخ) محمد اکرام ۳۶

(شیخ) محمد امکنکی ۱۴۴، ۱۴۹

(خواجہ) محمد امین بدخشی ۳۷۹

(ڈاکٹر) محمد باقر ۹۹

(شیخ) محمد باقر لاہوری ۳۲۶

محمد بدر الدین شامی (ابن الغزّی) ۹۷

(شیخ) محمد بن ابی الحسن اشعری ۴۱

محمد بن حبیب اللہ ۱۲۸

(شیخ) محمد بن العلاء بابلی ۳۴۱

(علامہ) محمد بن علی شوکانی ۴۱، ۹۷

(مولانا) محمد بن فخر ۱۳۵

(شیخ) محمد بن فضل اللہ برہانپوری ۱۴۷، ۱۷۵، ۲۷۱

محمد بن فضل اللہ محبی ۱۴۷

محمد بن محمد الغزّی ۹۷

محمد بیگ ازبکی ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۵۳

(سید) محمد پاشا بخاری ۳۶۸

(سلطان) محمد تغلق ۳۲

(مولوی) محمد الحسنی ۳۷۸

(خواجہ) محمد حسن مجددی ۱۲۸، ۳۷۷

(مولوی) محمد حسین آزاد ۹۴، ۹۵، ۹۸

(شیخ) محمد حسین آل کاشف الغطاء ۱۹۱

محمد حسین مرزا ۳۰۸

(مولانا) محمد زاہد (میرزاہد) ۴۲، ۶۸

(خواجہ) محمد زبیر ۳۶۳، ۳۶۴

محمد ساقی مستعد خاں ۳۶۲

(خواجہ) محمد سعید - ۱۶۶، ۱۷۰، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۸۲، ۱۸۳، ۲۰۸، ۳۲۵

(خواجہ) محمد شرف الدین حسین ۲۵۱

(پروفیسر) محمد شفیع ۵۰

(حضرت سید) محمد صابر ۳۷۹، ۳۸۰

(مولانا) محمد صادق حلوائی ۴۴، ۱۴۴

(مولانا) محمد صادق کابلی ۱۵۴، ۳۵۶

(مولانا) محمد صادق کشمیری ۲۲۰

(خواجہ) محمد صادق - ۱۷۳، ۱۸۲، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۴۸، ۳۵۷

(مولانا) محمد صالح کولابی ۱۵۵، ۳۵۶

(مولانا) محمد صدیق کشمی ۳۵۶، ۳۸۶

(مولانا سید) محمد ظاہر حسنی ۳۸۰

(حضرت سید) محمد عدل (شاہ لعل) ۳۷۹

(مولانا) محمد علی مونگیری ۳۶۵

(حافظ) محمد علی خاں شوق ۳۸۶

(شاہ) محمد عمر ۳۷۳، ۳۷۴

(شیخ) محمد عیسی ۱۸۲

(شیخ) محمد غوث گوالیاری - ۳۶-۳۴، ۷۴، ۱۶۰، ۲۴۴

(مولانا) محمد فاضل بدخشانی ۴۲

(شیخ) محمد فرخ ۱۸۲، ۳۳۷

(مولانا) محمد قاسم ۱۵۴

محمد قاسم بیجاپوری فرشتہ ۴۵

(مولانا) محمد قاسم نانوتوی ۳۷۵، ۳۷۷، ۳۸۱

محمد کاظم ۳۲۵

(شیخ) محمد مراد مکی قزانی ۳۵۳، ۳۵۷، ۳۶۱، ۳۶۲

(شیخ) محمد مسعود ۱۳۷

(پروفیسر) محمد مسعود ۱۶۰

(شاہ) محمد مظہر ۳۷۳، ۳۷۴

(شاہ) محمد معصوم (معصوم ثانی) ۳۷۴، ۳۷۷

(حضرت خواجہ) محمد معصوم - ۱۶۶، ۱۷۰، ۱۸۲، ۱۸۳، ۲۸۸، ۳۱۹

۲۶-۳۲۴، ۳۳۴، ۳۴۵، ۳۵۱، ۳۵۵، ۳۵۷

۳۵۸، ۶۳-۳۶۰، ۳۷۷، ۳۸۸

(مولانا) محمد منظور نعمانی ۱۴، ۱۸۹، ۳۵۶

(خواجہ) محمد ناصر عندلیب ۳۶۴

(شیخ) محمد نبہان ۱۸۴

(میر) محمد نعمان ۲۰۸، ۲۲۸

(خواجہ میر) محمد نعمان کشمی ۱۵۵، ۱۶۵، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۲

(شاہ) محمد نعیم (مسکین شاہ) ۳۶۸

(خواجہ) محمد نقشبند (حجۃ اللہ) ۳۶۳

(سید) محمد نوربخش ۴۵

(مولانا سید) محمد واضح ۳۸۰

(خواجہ) محمد ہاشم کشمی ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۶، ۱۴۷، ۱۴۹، ۱۷۰، ۱۷۴، ۱۷۷، ۳۸۷، ۳۸۸

(ملا) محمد یزدی ۴۲، ۹۲

(شاہ) محمد یعقوب ۱۸۴، ۳۶۸

محمود احمد عباسی ۱۲۸

محمود بن سلیمان ۱۲۸

محمود پسیخوانی ۶۶-۶۸، ۹۲، ۱۹۰

(شیخ الہند مولانا) محمود حسن دیوبندی ۳۸۱

محمود شاہ گجراتی ۵۳

(سلطان) محمود غزنوی ۴۰

(حافظ) محمود لاہوری ۳۵۶

(شیخ) محمود گجراتی ۳۲۱

(شیخ) محی الدین عبدالقادر عیدروسی ۳۳، ۲۷۰

مخدوم الملک دیکھئے عبداللہ

(حضرت) مخدوم جہانیان ۱۳۱، ۳۷-۱۳۵

(سلطان) مراد ۳۱، ۳۱۱

مراد ثالث ۲۵

(شہزادہ) مراد ۷۳

(شیخ) مراد مکی ۳۸۷

(نواب شیخ) مرتضیٰ (سید فرید) ۱۵۲، ۱۵۷، ۲۸۰

۲۸۶، ۴-۳۰۲، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۱۳، ۳۱۶

مزدک ۶۴

(شیخ) مزمل ۳۵۶

مستعصم باللہ ۲۵

(سالار) مسعود ۳۲

مسعود بن عبداللہ ۱۲۸

(امام) مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری ۶۴

(مولانا) مسیح الزماں خاں شاہجہانپوری ۳۶۵
مشتاقی ۳۲
(سید) مظفر ۸۰
(شہزادہ) مظفر حسین ۲۸
(مرزا) مظہر جانِ جاناں ۱۸۳، ۲۸۹، ۳۳۷، ۳۶۱، ۳۶۳، ۳۶۶، ۳۷۲، ۳۸۱
(حضرت خواجہ) معین الدین چشتی ۶۳
(مرزا) مقیم اصفہانی ۷۲
(مولانا سید) مناظر احسن گیلانی ۱۵، ۱۸۸
(راجہ) منجھولہ ۸۴
(شیخ) منور عبدالحمید لاہوری ۲۹۴
(شیخ) مودود ۱۳۷
مہابت خاں ۱۶۷، ۳۰۲
(خواجہ) میر درد دہلوی ۳۶۴
(محدث) میر کلاں ہروی ۷۴

(ن)

سیدنا حضرت نوح علیہ السلام ۲۶۹، ۲۷۰
نادر شاہ افشار ۲۸، ۳۷۶
ناصر الاسلام ندوی ۲۱
ناصر بن عبداللہ ۱۲۸
(خواجہ) ناصر الدین دیکھئے عبیداللہ احرار
نجم الدین الغزّی ۹۷
(ڈاکٹر) نذیر احمد ۲۲، ۶۶، ۶۹
نرسنگ دیو ۹۹، ۱۰۰
(مولانا) نسیم احمد فریدی ۳۵۶
(مرزا) نصر اللہ خاں ۵۰
(میر) نصیر خان اعظم ۴۸
نصیر الدین بن سلیمان ۱۲۸، ۱۲۹
(بادشاہ) نصیر الدین ہمایوں دیکھئے ہمایوں
(شیخ) نظام تھانیسری ۲۴، ۲۵۲
(خواجہ) نظام الدین ۱۴
(شیخ) نظام الدین امیٹھوی (بندگی میاں) ۳۸
(شیخ) نظام الدین اورنگ آبادی ۳۲۶
(مولانا) نظام الدین برہانپوری ۳۳۱
نظام نارنولی ۷۳
(شاہ) نعمت لاہوری ۳۴۷
(شاہ) نعمت اللہ قادری ۳۴۱
(شاہ) نعیم اللہ بہرائچی ۳۴۰، ۳۶۶

نمرود ۲۰۱

(مولانا) نور احمد امرتسری ۳۸۸

نور بخش ۴۵

(شیخ) نور الحق ۱۵۸

(قاضی) نور الدین ۳۴۷

(شیخ) نور الدین بن عبد الرحمٰن الکسرقی الاسفرائنی ۲۷۲

نور الدین بن نصیر الدین ۱۲۸، ۱۲۹

نور الدین قراری ۴۲، ۹۲

نور محمد ٹپنی ۱۵۵، ۱۵۶، ۳۵۶

(سید) نور محمد بداونی ۳۶۳، ۳۶۶

(میاں جی) نور محمد جھنجھانوی ۳۸۱

(و)

(علامہ) وجیہ الدین ۳۶، ۴۱

(شیخ) وجیہ الدین اشرف ۳۷۹

(مولانا) وکیل احمد سکندرپوری ۳۳۷، ۳۵۱

(مولانا) ولایت علی عظیم آبادی ۳۸۳، ۳۸۴

(حضرت شاہ) ولی اللہ دہلوی ۔ ۱۲، ۳۷، ۱۴۳، ۱۸۶، ۲۵۲، ۳۳۳، ۴۲ ۔ ۳۴۰، ۳۴۵، ۳۶۴، ۳۶۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۸۲ ۔ ۳۸۰، ۳۸۵، ۳۸۶

(سر) ویلزلی ہیگ ۹۴

(ہ)

سیدنا حضرت ہارون علیہ السلام ۲۶۹

(خلیفہ) ہارون رشید ۹۱

(حافظ محمد) ہاشم جان مجددی ۳۷۷

(قاضی) ہدایت اللہ ۳۴۹، ۳۵۰

(بادشاہ) ہمایوں ۲۹، ۴۱، ۴۵، ۴۶، ۷۸، ۱۳۱، ۱۶۱، ۳۰۰

(حکیم) ہمایوں (حکیم ہمام) ۴۱، ۹۲

ہیرلڈ ہوفڈنگ ۲۱۱

ہیون سانگ (HIUN SONG) ۱۳۱

(ی)

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام ۱۶۳، ۳۰۶

(مولانا) یار محمد جدید بدخشی طالقانی ۔ ۲۸۱، ۲۸۲

۳۵۶، ۳۸۸

(مولانا) یار محمد قدیم ۱۵۵، ۳۵۶

(خواجہ محمد) یحییٰ ۷۴، ۱۸۲، ۱۸۴، ۳۳۷

یحییٰ بن احمد ۱۳۲

(شیخ محمد) یحییٰ ترہتی ۳۷۵

(شیخ) یحییٰ شاوی ۳۴۲

(مولانا) یحییٰ علی ۳۸۴
(ملا) یزدی دیکھئے محمد
(میر) یعقوب کشمیری ۷۲، ۱۳۲، ۱۳۹
یوحانان فریدمن (یہودی فاضل) ۳۵۱
یوزی صاحب ۳۲۲
یوسف بن اسحاق ۱۲۸
(شیخ) یوسف بن شہاب الدین برکی ۔ ۱۲۸، ۱۲۹، ۳۵۶
(مولانا) یوسف سمرقندی ۱۵۵، ۳۵۶
(مولانا) یوسف کوکنی ۱۰۸

اقوام وقبائل ۔طبقات اور ملتیں

اثنا عشری ۔ اثنا عشری جعفری ۔ ۲۶، ۴۵، ۴۶، ۵۶
اخاف ۱۷۹
آرین ۲۷۱
ازبک ۲۷
اصحاب صفہ ۱۲۵
اصحاب کہف ۳۰۹
اشراقی ۔ اہل اشراق ۔ ۲۰۰، ۲۱۴، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۳۰، ۲۳۱
افغان ۔ افغانی ۲۸، ۳۱، ۳۲، ۵۰ ۔ ۴۸، ۵۲، ۱۲۹
آل بابر ۲۸
آل باعلوی ۔ باعلوی عیدروس ۳۳
آل کاشف الغطاء ۱۹۱
(حضرات) انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ۔ ۱۶۵، ۲ ۔ ۲۰۰
۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰ ۔ ۲۱۷، ۲۲۰ ۔ ۲۲۲، ۲۳۹ ۔ ۲۳۲، ۲۷۱، ۲۷۳، ۳۱۰
اہل بیت کرام ۳۱، ۶۴، ۱۳۶، ۳۰۷
اہل سنت والجماعت ۔ سنی ۔ ۳۲، ۴۵، ۴۷، ۵۵، ۵۶
۹۴، ۹۸، ۱۲۷، ۱۵۹، ۱۶۰، ۲۳۸، ۲۵۰، ۲۷۸، ۳۱۱، ۳۵۰
اہل حرم ۷۵
اہل کرکوک ۳۷۱
اہل مصر ۔ مصری ۱۹۸، ۲۰۱، ۲۴۴
اہل یونان ۔ یونانی ۶۱، ۱۹۸، ۲۱۷
ایرانی ۔ ۲۷، ۲۸، ۳۱، ۴۳، ۴۴، ۶۶، ۹۲، ۱۵۹، ۲۱۷
برہمن ۱۰۲
بلوچ ۔ بلوچی ۴۷، ۴۹
پارسی ۱۱۵
پٹھان ۴۸، ۱۵۸
(حضرات) تابعین رض ۶۰

تاتاری ۲۵

ترک ۔ ترکی ۳۲، ۲۶۷، ۳۷۲

تورانی ۱۵۹

تیموری ۴۶، ۷۴، ۸۵، ۸۶

جرمن ۲۱۱

حکمائے اشراق ۱۹۹، ۲۰۰

خاندان مجددی ۔ ۲۱، ۲۲، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۴۵، ۳۷۲، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۸۵

خاندان نقشبندیہ ۷۴

خلفائے راشدین ۱۲۷، ۲۴۰، ۲۵۹، ۳۲۷

راجپوت ۱۰۱

راجگانِ راجور ۳۷۳

روسی ۳۷۶

روشنائی ۔ فرقۂ روشنائیہ ۔ ۴۸، ۵۰، ۵۲، ۳۰۱

سلاطین اسلام ۳۰

سلاطین آل عثمان ۳۱

سلاطین ترکی ۳۰

سلاطین صفوی ۳۱

سلاطین مغل ۱۶۱

سلاطین مملوک ۲۵

سنیاسی ۳۶

سندھی ۴۹

سوری خاندان ۵۸

شافعیہ ۔ شوافع ۱۷۶، ۱۷۹، ۳۴۱

شاہان مغلیہ ۳۳۲

شطّاری ۳۵

شیبانی ۲۷، ۲۸

شیعہ ۴۵، ۹۴، ۹۸، ۱۶۴، ۳۸۵

(حضرات) صحابۂ کرام ۔ ۶۰، ۶۴، ۹۲، ۱۹۰، ۱۹۲

۲۵۵، ۲۷۳، ۳۰۷، ۳۷۹

صفوی خاندان ۲۶، ۲۷

صوفیاء ۔ ۴۴-۲۴۲، ۲۴۶، ۲۴۸، ۲۵۰، ۲۶۱، ۲۶۴، ۳۲۲

عباسی ۲۵

عثمانی ۔ آل عثمان ۲۶، ۳۱، ۳۷۲

عثمانی ترک ۲۶، ۸۵، ۸۶

عجمی ۶۷، ۲۴۱

عرب ۶۶، ۶۷، ۳۵۳، ۳۷۲

عیسائی ۸۰، ۸۲

غزنی ۱۳۱

فرشتہ ۔ ملائکہ ۔ ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۹، ۲۲۳، ۲۳۸، ۲۴۵

فرقۂ امامیہ ۴۵، ۱۹۱

فرقۂ ذکریہ ۴۷

فرنگ ۸۰، ۸۱، ۸۴

فقہائے اسلام ۲۵۵

فقہائے حنفیہ ۱۷۶

فلاسفہ ۔ ۱۹۷، ۱۹۹، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۴، ۲۰۸، ۲۲۰

فلاسفۂ یونان ۔ ۲۰۰ ۲، ۲۰۷، ۲۱۰، ۲۱۵، ۲۶۴

قریش ۱۲۳

قزلباش ۴۶

کائست ۳۲

کرد ۔ کردی ۳۵۳، ۳۷۱

لودھی خاندان ۲۸

مالکیہ ۱۷۶

مجوسی ۲۱۷، ۳۲۹

مشائی ۲۱۶

مغل ۔ خاندان مغلیہ ۔ ۲۸، ۵۰ ۔ ۴۸، ۱۲۹

۱۵۹، ۲۹۸، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۳۲

ملاحدۂ تناسخیہ ۔ اہل زندقہ ۶۶

مہدوی ۵۶، ۵۷، ۹۴

مہمندزئی ۴۹

نقطوی ۶۶، ۶۷

ہندو ۴۵، ۵۱، ۱۰۱، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۱۹،

۱۳۱، ۲۵۲، ۲۳ ۔ ۳۲۱

ہندوستانی ۔ اہل ہند ۵۰

ہندو یوگی ۳۶

یوسف زئی ۹۶

کتابیات

قرآن مجید

(الف)

آثار الصنادید ۳۶۷

اثبات النبوۃ ۳۸۵

احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری ۳۴۶

احیاء العلوم ۳۸

آداب عالمگیری ۳۲۵

ازالۃ الخفاء ۱۲، ۳۸۲

اسرار التشہد ۱۳۶

أصفی الوارد فی ترجمۃ حضرۃ سیدنا خالد ۳۷۱
أصل الشیعۃ واصولہا ۱۹۱
اصل الأصول فی بیان مطابقۃ الکشف بالمعقول والمنقول ۲۶۲
اصول بزدوی ۱۳۵، ۱۸۰
الإعتصام بالسنۃ ۲۵۶
اعتقادنامہ ۴۷
الاعلام فی اخبار بیت اللہ الحرام ۴۰
الأعلام للزرکلی ۳۴۲
الأفق المبین ۶۱
اکبرنامہ ۹۲، ۹۸، ۹۹
امرت کنڈ ۳۶
الإنتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ۱۴۳، ۳۷۸
انجیل ۸۲-۸۰
انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ۱۶۴، ۲۱۵
انشاء ابوالفضل ۸۱، ۹۹، ۱۰۱
أنفاس العارفین ۴۲-۳۴۰، ۳۴۵، ۳۷۸، ۳۸۱
اورنگ زیب ۳۳-۳۳۱
آئین اکبری ۹۹، ۱۰۸، ۱۱۱، ۲۲-۱۱۹
ایضاح الحق الصریح فی أحکام المیت والضریح ۲۵۶

ب پ

بحر الحیاۃ ۳۶
بحر زخار ۳۷۹
بخاری دیکھئے صحیح بخاری
البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن التاسع ۴۱، ۹۷
بزدوی دیکھئے اصول بزدوی
بزم تیموریہ ۱۰۰
بشارات مظہریہ ۳۴۰
بلوچستان ڈسٹرک گزیٹیر ۴۷
پریچنگ آف اسلام ۱۶۴

ت

تاریخ الفی ۱۰۶
تاریخ خوانین بلوچ ۴۷، ۴۸
تاریخ داؤدی ۳۲
تاریخ دعوت وعزیمت - ۱۴، ۱۷، ۱۸، ۲۲، ۷۸، ۱۴۱
۲۳۲، ۲۷۴، ۳۰۳
تاریخ عالم آرائے عباسی ۶۵
تاریخ فرشتہ ۳۲، ۴۵، ۸۶
تاریخ فلسفۂ جدید ۲۱۱

تاریخ مبارک شاہی ۱۳۲
تاریخ مشائخ چشت ۳۲۶
تاریخی مقالات ۳۲۳، ۳۲۵
تاریخ المذاہب الاسلامیہ ۱۹۱
تاریخی وادبی مطالعے ۶۶، ۶۹
تاریخ ہند (سید ہاشمی) ۵۸
تاریخ ہندوستان (ذکاء اللہ) ۳۲، ۵۶، ۹۴، ۳۲۱، ۳۲۸
تحقیق وانصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ ۳۸۳
تذکرہ (مولانا ابوالکلام آزاد) ۵۵
تذکرہ آدمیہ ۳۵۹
تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی ۔ ۱۸۹، ۳۵۶، ۳۷۰
تذکرۂ بے مثل راجگان راجور ۳۷۳
تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی ۳۶۵
تذکرہ شاہ علم اللہ ۳۷۸
تزک جہانگیری ۔ ۴۷، ۷۶، ۱۰۰، ۱۵۸، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۷، ۱۶۹، ۳۱۹
تزکیہ واحسان یا تصوف وسلوک ۱۴۱
التسویۃ ۱۶۱
تصوف اسلام ۲۴۳
تعرّف ۱۳۵
تعمیر حیات (اخبار) ۱۹
تفسیر ابوالسعود ۳۱، ۴۰
تفسیر بیضاوی ۱۸۰، ۳۵۷
تفسیر جلالین ۴۰
تفسیر ذکر اللہ ۴۷
التفسیر المظہری ۳۶۶
تقصار جیود الأحرار ۳۸۳
تلویح ۳۵۷
تلخیص الشافی ۱۹۱
تنقید عقل محض ۲۱۱
تواریخ عہد اکبری ۷۷
توریت ۸۰، ۸۱
توضیح الحواشی ۱۳۵
تہافۃ الفلاسفہ ۲۰۴، ۲۰۵

(ث)

الثقافۃ الإسلامیۃ فی الہند (اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں) ۴۲، ۱۴۷، ۳۳۲
ثلاثیات بخاری ۱۳۹

ثنائے مہدی ۴۷

ج چ

جامع المجددین ۱۸۵

جلاء العینین ۲۶۶

جواہر خمسہ ۳۶، ۲۴۴

جواہر معصومی ۱۲۸

جوہر دوم ۲۴۴

چہل حدیث (مولانا جامی) ۴۷، ۳۱۲

ح

حال نامہ بایزید ۵۱

حال نامہ پیر دستگیر ۵۰، ۵۱

حدیث مسلسل ۱۳۹، ۱۴۰

الحسبۃ فی الاسلام ۳۳۰

حضرات القدس ۱۲۸، ۱۴۹، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۶۳ ـ

۱۷۵، ۱۷۷، ۱۸۱ ـ ۱۷۹

حضرت مجدد الف ثانی ۱۶۸، ۳۵۶، ۳۸۵، ۳۸۸

حضرت مجدد اور ان کے ناقدین ۱۷۰، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۰

الحق (رسالہ) ۴۸

حکمائے اسلام ۲۱۷

حکمت الاشراق ۲۱۶

حل مشکلات ابن العربی ۳۴۲

حیات شیخ عبد الحق ۳۳۷

خ

خزینۃ الأصفیاء (مفتی غلام سرور) ۳۲۶

خلاصۃ الأثر ۱۴۷

خلاصۃ المعارف ۳۵۹

خیر البیان ۵۰، ۵۱

د

داستان ترکتازانِ ہند ۵۲

دائرہ معارف اسلامیہ ـ ۵۰، ۱۰۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۲۱۶

۲۷۲، ۳۲۲، ۳۲۳

دبستانِ مذاہب ۵۱، ۶۵، ۶۷، ۱۲۶

دربار اکبری ۹۲، ۹۵، ۹۸

الدرر المکنونات النفیسۃ ۳۵۳

الدر المختار ۳۷

درالمعارف ۳۶۴، ۶۹ ـ ۳۶۷، ۳۷۹

الدرۃ الفاخرۃ ۲۶۶، ۳۴۱

الدعوۃ الاسلامیۃ فی الہند وتطوراتہا (رسالہ) ۱۵

الدلائل ۳۷۵

دریائے کابل سے دریائے یرموک تک ۳۷۶

دی ریکانسٹرکشن آف ریلیجیز تھاٹ اِن اسلام ۲۱۱

دینِ الٰہی اور اس کا پسِ منظر ۶۶

(ذ)

ذکر الٰہی ۴۷

ذکر توحید ۴۷

ذکری کون ہیں؟ ۴۷

ذیل رشحات ۳۵۷، ۶۳-۳۶۱

(ر)

الرد الأقوم علی فصوص الحکم ۲۶۸، ۲۷۰

ردروافض ۳۸۵

الرد علی المنطقیین ۱۸۹

ردالمحتار ۳۷۰

رسالہ تہلیلیہ ۱۴۰، ۳۸۶

رسالہ رد مذہب شیعہ ۱۴۰

رسالۃ العبودیہ ۲۷۳

رسالہ قشیریہ ۲۴۲

رموز بیخودی (کلیات فارسی) ۳۳۴

روح القدس (رسالہ) ۲۶۹

روح المعانی ۳۵۳

رود کوثر ۳۶

روضۃ القیومیہ ۵۵-۱۵۳

(ز)

زبدۃ المقامات - ۳۹، ۳۱-۱۲۸، ۱۳۳، ۱۳۴، ۳۸-۱۳۶، ۱۴۰، ۱۴۷، ۱۵۱-۱۴۹، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۹، ۱۷۰، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۸۰، ۱۸۳

زجاجۃ المصابیح ۳۶۸

زبور ۸۰، ۸۱

(س)

سفرنامۂ مہدی ۴۷

سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ۵۹

سلسلۃ الأحرار ۱۴۸

سل الحسام الہندی لنصرۃ مولانا خالد النقشبندی ۱۸۳، ۳۷۰، ۳۷۲

سنن ابی داؤد ۱۸۵

سواطع الإلہام ۹۶، ۱۴۰

سوانح احمدی ۳۸۳

سید احمد شہید (غلام رسول) ۳۷۸، ۳۸۲

سیرت سید احمد شہید ۱۲۶، ۳۷۸، ۳۸۲

سورسیز آف انڈین ٹریڈیشن ۲۸۸

(ش)

الشافی ۱۹۱

شامی ۱۷۸

شاہ محمد غوث گوالیری ۱۶۰

شاہ نامہ فردوسی ۶۴، ۱۲۲

شرح رباعیات ۳۸۶

شرح درمختار ۱۸۳

شرح وقایہ ۲۷، ۳۵۷

شطّاریہ (رسالہ) ۳۴

شعر العجم ۹۶، ۹۸

شمائل ترمذی ۱۳۹

شیخ احمد سرہندی این آوٹ لائن ۳۴۱

(ص) (ض)

الصارم الہندی فی جواب سؤال عن کلمات السرہندی ۳۴۱، ۳۴۵

صحاح۔ صحاح ستہ ۱۳۹، ۲۴۴

صحیح بخاری ۳۹، ۴۰، ۱۳۹، ۱۸۰

صحیحین ۲۹۱

صراط التوحید ۴۹، ۵۰

صراط مستقیم ۱۲، ۲۹۰

الصواعق المحرقہ ۴۰

الضوء اللامع لأہل القرن التاسع ۳۹، ۴۳

(ط)

طبقات اکبری ۱۰۲، ۱۱۹

طلسم ہوشربا ۱۹۷

(ع) (غ)

العاشقیہ ۳۶

عالمگیر نامہ ۳۲۵

العرف الندی فی نصرۃ الشیخ احمد السرہندی ۳۴۶

عشقیہ (رسالہ) ۳۵، ۲۸۴، ۲۸۵

العصب الہندی ۳۴۱

عضدی ۱۳۹، ۳۵۷

عطیۃ الوہاب لفاصلۃ بین الخطاء والصواب ۳۴۵، ۳۵۳

عوارف العوارف ۳۸، ۱۸۰

عوارف المعارف ۱۲۵، ۲۴۳

غنیۃ الطالبین ۲۴۳

ف ق

فتاوی تاتارخانی ۳۲

فتاویٰ عالمگیری (فتاوی ہندیہ) ۳۲، ۳۳۲

فتاویٰ قاضی خاں ۳۲

فتح الباری ۳۹

فتح المغیث بشرح ألفیۃ الحدیث ۳۹

فتوحات عالمگیری ۳۲۵

فتوحات مکیہ ۲۵۲، ۲۶۲، ۲۶۶، ۲۷۰

الفرقان (رسالہ) ۱۴، ۱۵، ۱۶۴

الفرقان بین الحق والباطل ۲۶۸، ۲۷۰

فصوص الحکم ۔ ۳۷، ۳۸، ۱۳۵، ۲۵۱، ۲۶۳، ۲۶۶، ۲۶۸، ۲۷۰

فسانۂ عجائب ۱۹۷

قدح الزند ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۷

ک گ ل

کاسر المخالفین ۳۵۰، ۳۵۱

کتاب اللمع ۲۴۲

کشف الغین فی شرح رباعیتین ۳۸۶

کشف المحجوب ۲۴۲

کلید مخازن ۳۴، ۳۵

کنز العمال ۴۰، ۴۳، ۳۷۵

کنز الوحدۃ ۳۶

کنوز الحقائق ۱۳۶

کنہ المحکم المربوط ۲۶۶

الکواکب السائرہ ۹۷

کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ۹۴، ۳۲۱

گلزار ابرار ۱۳۲

لطائف قدوسی ۱۳۴

م

مآثر الامراء ۔ ۴۶، ۶۹، ۷۵، ۷۶، ۹۰، ۹۷، ۱۰۰

۱۰۵، ۲۹۳، ۳۵۰

مآثر عالمگیری ۳۲۸، ۳۶۲

مالابدمنہ ۳۶۶

مبداومعاد ۳۸۶، ۳۸۷

مبلغ الرجال ۶۵، ۶۸، ۶۹، ۹۴

مجمع بحار الأنوار ۵۷

مجموعہ رسائل تسعہ ۳۸۳

مجموعہ رسائل ابن عابدین ۳۷۰

محضر نامہ ۱۰۲، ۱۰۳

مخبر دکن۔ مدراس ۳۶۸

مختصر تاریخ ہند ۱۰۷

المختصر من کتاب نشر النور والزہر ۳۴۲

مخزن الإسلام ۵۰

مذہب وتمدن ۱۹۸

مرآۃ العالم ۳۲۵

مسند احمد ۳۰۷

مشکوٰۃ المصابیح ۱۳۱، ۱۸۰، ۲۸۵، ۳۰۷، ۳۵۷

مطالع النجوم ۲۶۶

معارج لدنیہ ۳۸۶

معارج الولایہ ۳۴۶، ۳۵۱

معراجیہ ۳۶

معراج نامہ ۴۷

معمولات مظہریہ ۳۶۶

مقامات خیر ۱۲۷، ۳۷۲، ۳۷۶

مقامات مظہری ۳۶۷، ۳۸۱، ۳۸۲

مقدمہ ابن خلدون ۱۹۶

مقصود المؤمنین ۴۹، ۵۰

المکاتب والرسائل ۳۳۷

مکاشفات عینیہ ۳۸۷

مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی ۱۱، ۱۳۱، ۱۳۷، ۱۴۹، ۱۵۳، ۱۵۸، ۱۶۳، ۱۶۵-۶۸، ۱۸۳، ۱۸۴، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۳، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۴-۳۰، ۲۳۹-۲۳۳، ۲۴۵، ۲۴۷-۵۲، ۲۵۸-۶۱، ۲۶۶، ۲۷۲، ۲۷۴، ۲۷۶، ۲۷۹-۸۳، ۲۸۶، ۲۸۷، ۳۰۰، ۳۰۳، ۳۰۶، ۳۰۷-۱۲، ۳۱۰، ۳۱۵، ۲۷-۳۲۴، ۳۴۴، ۳۵۳، ۳۸۵، ۳۸۷

مکتوبات سہ صدی ۳۰۳

مکتوبات خواجہ محمد معصوم ۳۵۸

مکیہ (رسالہ) ۳۸

ملفوظات شیخ علاء الدولہ سمنانی (چہل مجلس) ۲۷۲

مناقب احمدیہ ۳۷۳

مناقب العارفین ۱۵۸

منتخب التواریخ ۲۰، ۳۷، ۴۵، ۵۴، ۷۳-۶۸، ۸۴-۸۲، ۸۷، ۸۹، ۹۰، ۹۲، ۹۸، ۱۰۲، ۱۰۷-۱۰۵، ۱۲۲-۲۴، ۱۹۲

منصب امامت ۱۲

منہج افضل للدعاۃ والعلماء ۱۵

مواقف ۱۸۰

موسی نامہ ۴۷

مولود برزنجی ۳۴۲

مہابھارت ۱۰۰

میں ذکری ہوں ۴۷

(ن)

الناشرۃ الناجرۃ للفرقۃ الناصرہ للکلمات الفاجرہ ۳۴۲، ۳۴۶

النبوّات ۱۸۹

نتائج الحرمین ۳۷۹، ۳۸۰

نزہۃ الخواطر ۳۴، ۳۸-۳۶، ۴۲، ۴۳، ۵۴، ۵۷، ۸۸،
۸۹، ۱۰۲، ۱۰۵، ۱۳۴، ۱۳۹، ۱۴۳، ۱۴۷، ۱۸۴، ۲۹۴، ۲۹۵،
۳۰۴، ۳۰۸، ۳۱۰، ۳۱۲، ۳۲۰، ۳۴۰، ۳۵۳، ۳۵۷،
۳۵۸، ۳۶۰، ۳۶۵، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۸، ۳۸۰، ۳۸۲

نفحات الانس ۲۷۲

نقد النصوص ۳۷

نقض المنطق ۱۸۹

نقطویان یا پیخوانیان ۶۶

نکات الأسرار ۳۶۰

النور السافر فی رجال القرن العاشر ۳۳، ۴۱، ۲۷۰

نیل الاوطار ۹۷

(و)

واقعات مشتاقی ۳۳

وحدۃ الوجود (رسالہ) ۲۶۲، ۲۶۴

(ہ ی)

ہدایہ ۲۷، ۱۸۰

ہدیۂ مجددیہ ۳۳۷

ہسٹری آف اورنگ زیب ۳۳۳

ہمعات ۱۴۳

ہندوستان کا نصاب درس (رسالہ) ۴۲

الیانع الجنی فی أسانید الشیخ عبد الغنی ۳۷۵

یادایام (تاریخ گجرات) ۹۱، ۳۵۰

مقامات

(الف)

اٹاوہ ۱۳۶

اٹک ۴۷

اترپردیش ۱۲۶

اجمیر — ۴۶، ۶۳، ۷۲، ۷۳، ۱۶۹، ۱۷۰، ۲۹۲

اجودھن ۷۲

اُجّین ۵۷

اُچ ۲۹۴

احمدآباد ۳۳، ۵۳، ۳۰۸

احمدنگر ۲۹، ۴۵، ۵۳، ۵۶، ۶۷

اربل ۳۷۱

اسپین ۱۲۵

استرآباد ۴۲، ۶۶

آسٹریا ۲۵

اسکندریہ ۳۳، ۲۱۴

اصفہان ۳۱، ۱۵۶

افغانستان — ۱۹، ۲۰، ۲۷، ۲۸، ۳۱، ۳۳، ۴۰، ۴۲، ۵۲، ۵۶، ۶۳، ۷۰، ۹۱، ۱۲۸، ۳۶۱، ۳۶۴، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۷۰، ۳۷۴، ۳۷۶

افریقہ ۲۵

اکبرآباد ۱۴۰

آکسفورڈ ۳۳۳

اکوڑہ خٹک ۴۸

آگرہ — ۷۵، ۹۶، ۹۹، ۱۱۰، ۱۴۰، ۱۵۴، ۱۵۵، ۳۶۷، ۲۹۴، ۲۹۵، ۳۰۸

الہ آباد ۱۵۶

امروہہ ۳۶۷

انبالہ ۳۸، ۳۶۷

اندلس ۱۲۵

انہلواڑہ ۴۰

اودھ ۳۸، ۳۷۹

اورنگ آباد ۳۴۷، ۳۵۰

ایران — ۲۹-۲۵، ۳۱، ۴۶-۴۰، ۶۵-۶۳، ۶۷، ۶۸، ۷۷، ۸۶، ۹۱، ۹۲، ۱۹۰، ۲۱۰، ۳۶۶، ۳۷۰، ۳۷۴، ۳۷۶

ایشیا ۲۵، ۷۶

(ب)

بخارا ۲۷، ۳۳، ۳۵۸، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۷۴

بدخشاں ۲۸، ۳۳، ۱۵۴، ۱۵۶

برک ۱۵۵

برہانپور ۱۵۵

بریلی ۳۶۷

بغداد ۲۶، ۶۳، ۳۶۷، ۳۷۱

بلخ ۶۳، ۶۸

بکھّر ۲۹۲

بلوچستان ۴۳، ۴۷، ۴۸

بلیا ۳۸۰

بنارس ۱۶۹

بنگال (بنگار) ۱۹، ۴۶، ۶۸، ۱۳۵، ۱۵۵، ۲۹۴
۳۰۸، ۳۶۲

بنّور ۳۵۸

بہار ۲۹۴، ۳۰۸، ۳۱۱، ۳۸۰

بہرائچ ۳۶۷، ۳۶۸

بھوپال ۱۸۴، ۳۶۸، ۳۸۳

بیجاپور ۲۹، ۴۲

بیدر ۵۳

بیروت ۱۱

بیگوسرائے ۳۸۰

(پ)

پاکستان ۳۷۰، ۳۷۶

پٹن ۴۰

پٹنہ ۱۵۵، ۱۵۶، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۸۴

پشاور ۴۹، ۳۶۷

پنجاب ۔ ۱۹، ۳۷، ۴۹، ۸۸، ۱۸۱، ۳۰۳، ۳۲۱، ۳۶۷، ۳۷۳

پونا ۳۶۷

(ت)

تاشقند ۳۶۷

ترکستان ۔ ۲۰، ۲۷، ۳۱، ۳۳، ۴۰، ۴۳، ۴۴، ۱۲۶
۱۵۴، ۳۴۵، ۳۵۳، ۳۶۱

ترکی ۔ ۲۰، ۴۰، ۸۵، ۱۸۳، ۱۸۴، ۲۶۷، ۳۳۲، ۳۴۲
۳۵۳، ۳۵۴، ۳۶۱، ۳۶۸، ۳۷۲

تریم ۳۳

تعز ۳۳

توران ۱۵۴

تونس ۲۵

تھانیسر ۱۴۰، ۲۹۲

(ج)

جائس ۳۶۷

جاپانیر ۵۳

جالندھر ۴۸، ۸۸، ۳۷۸

جرجان ۴۲

جزیرۃ العرب ۲۵، ۳۷۴

جمنا ۱۱۱

جنۃ البقیع ۳۶۰، ۳۷۴، ۳۷۵

جنۃ المعلاۃ ۳۷۴

جودھپور ۱۰۱

جونپور ۱۳۵، ۱۵۵

(چ)

چمرقند ۳۸۴

چناب ۱۱۱

چین ۳۶۷

(ح)

حبش ۳۶۷

حجاز ـ ۲۰، ۴۰، ۴۱، ۴۳، ۴۴، ۷۵، ۸۹، ۱۰۵، ۱۳۹، ۲۹۲، ۲۹۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۵۳، ۳۵۹، ۳۶۹

حرم شریف ۷۵

حرم مکی ۲۵

حرمین شریفین ـ ۲۵، ۳۰، ۱۴۲، ۱۶۲، ۲۴۴، ۳۳۵، ۳۴۱، ۳۴۵ـ۳۴۳، ۳۵۷، ۳۵۹، ۳۷۵، ۳۷۹

حصار ۳۶۷

حصار شادمان ۱۵۶

حضرموت ۳۳

حلب ۳۷۱، ۳۷۲

حیدرآباد (دکن) ۱۲۲، ۳۶۵، ۳۶۷، ۳۶۸

حیدرآباد (سندھ) ۳۷۷

(خ)

خاندیس ۹۶

خراسان ۳۶، ۶۳، ۱۵۴، ۲۷۲، ۳۵۸

(د)

داناپور ۱۴۷

دائرہ شاہ علم اللہ (رائے بریلی) ۲۲، ۳۷۷

درۂ بولان ۴۳

درۂ خیبر ۴۳، ۵۲، ۳۰۱

درۂ فرخ شاہ ۱۲۹

دکن ـ ۵۶، ۶۸، ۱۰۰، ۱۵۵، ۱۷۰، ۳۲۶، ۳۶۵، ۳۶۸

دمشق ۳۰، ۲۵۱، ۲۶۵، ۲۷۳، ۳۳۲، ۳۷۲

دہلی ـ ۱۲، ۲۶، ۲۹، ۶۳، ۷۲، ۷۳، ۱۳۱، ۱۴۰، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۸۳، ۲۱۱، ۲۶۴، ۳۰۸، ۳۲۶، ۳۶۱، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۷، ۳۸۶، ۳۸۸

دیوبند ۳۷۵، ۳۷۷، ۳۸۴

ڈ

ڈابھیل ۳۸۶

ڈھاکہ ۳۶۷

ڈیرہ اسماعیل خاں ۳۷۳

ر ز

رامپور ۳۶۷، ۳۷۴، ۳۸۵، ۳۸۶

راۓ بریلی ۲۲، ۳۷۷

زرچھتر ۳۷۳

روس ۲۷، ۱۲۶

روم ۱۵۴، ۲۱۴، ۲۱۵، ۳۶۷، ۳۶۹، ۳۷۴

س

سامانہ (قصبہ) ۱۲۷

سائیں داد (سندھ) ۱۲۸

ستلج (ضلع) ۱۳۱

سرائیں (قریہ) ۱۳۰

سرہند-سہرند ۱۲۶، ۳۲-۱۳۰، ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۴۰، ۱۴۲، ۱۵۰، ۱۵۲، ۱۵۴، ۱۶۲، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۷۵، ۳۲۶، ۳۵۸، ۳۶۷، ۳۷۶

سکندرہ ۱۳۶

سلطانپور ۸۸

سلیمانیہ (ترکی) ۳۱، ۳۷۰

سمرقند ۲۷، ۳۳، ۱۳۹، ۱۴۴، ۳۶۷، ۳۷۴

سمنان ۲۷۲

سُنّام ۱۳۱

سنبھل ۱۳۱

سندھ ۵۴، ۱۲۸، ۳۷۷

سورون ۱۱۰

سہارنپور ۱۵۵

سُہنہ ۳۷

سیالکوٹ ۱۳۹

سیستان ۲۸

سیون ۳۳

ش

شام ۲۰-، ۲۵، ۳۲، ۴۰، ۴۴، ۱۵۴، ۱۸۳، ۱۸۴، ۲۶۵-۶۷، ۳۳۲، ۳۵۴، ۳۶۱، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۷۰-۷۲، ۳۷۴

شام چوراسی ۳۷۸

شحر ۳۳

شہرزور ۳۴۲، ۳۵۳

شیراز ۶۷

ص

صادق پور (پٹنہ) ۳۸۴

صوبہ جات متحدہ ۳۷۳

صنعاء ۳۳

ط

طالقان ۱۵۴

طائف ۳۴۱

طنطا ۳۳

ع

عالم اسلام ۔۱۹، ۲۰، ۲۵۔۲۲، ۳۰، ۳۲، ۳۳، ۳۸
۶۲، ۶۳، ۱۸۶، ۱۸۹، ۲۴۴

عجم ۔۱۲۲، ۱۵۶، ۱۸۳، ۳۶۷، ۳۶۹، ۳۷۵، ۳۸۱

عراق ۔۲۰، ۲۵، ۲۷، ۳۲، ۴۰، ۴۴، ۱۸۳، ۱۸۴
۲۷۱، ۳۵۴، ۳۶۱، ۳۶۸، ۳۶۹

عرب ۔۲۵، ۶۲، ۱۲۲، ۱۵۶، ۱۸۳، ۲۴۰، ۲۴۴
۳۶۶، ۳۴۲، ۳۶۷، ۳۶۹، ۳۷۲، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۹، ۳۸۱

عظیم آباد ۳۶۷

علی گڑھ ۲۲، ۶۵، ۶۶

عمادیہ ۳۷۱

عینتاب ۳۷۱

غ

غزنی ۳۰۱، ۳۰۸، ۳۶۷

ف

فتحپور سیکری ۷۳، ۹۹، ۱۱۰، ۲۹۳

فرید آباد ۳۰۴

فیروزپور ۱۳۱

ق

قاسیون ۳۷۲

قاہرہ ۱۵

قبرص ۲۵

قدم رسول (دہلی) ۱۴۸

قرہ داغ (قصبہ) ۳۷۰

قزان ۳۷۴

قسطنطنیہ ۲۶

قصبہ ٹنڈہ سائیں داد ۳۷۷

قصبہ موسیٰ زئی ۳۷۳

قندھار ۲۷، ۲۸، ۵۴، ۳۶۷

ک

کابل۔۲۷، ۲۸، ۴۶، ۴۹، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۴۴، ۱۵۶، ۳۶۴، ۳۶۷، ۳۷۶، ۳۷۷

کاشغر ۱۵۴

کالاپانی ۵۰

کالپی ۹۲، ۹۶، ۱۴۷

کالنجر ۹۶

کانگڑہ ۱۶۹

کراچی ۱۶۰، ۳۵۶، ۸۷۔۳۸۵

کربلا ۲۶

کردستان ۱۸۳، ۱۸۴، ۳۵۴

کشمیر ۴۵، ۱۳۹، ۱۴۴، ۳۲۱، ۳۶۷

کرکوک ۳۷۱

کوکن ۱۰۸

کیتھل ۳۸

گ

گجرات۔ ۲۹، ۳۶، ۴۰، ۵۳، ۵۷، ۱۰۵، ۲۴۴، ۲۹۴، ۳۰۳، ۳۰۸، ۳۵۰

گرداسپور ۳۷۳

گڑگانوہ ۳۷

گلبرگہ ۵۴

گنگا ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۵۶

گوالیار۔ ۱۵۷، ۱۶۰، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۵، ۲۹۵، ۳۰۲، ۳۱۷، ۳۱۸

گورکھپور ۳۶۷

گولکنڈہ ۲۹

گیلان ۴۲

ل

لاہور۔ ۲۶، ۱۱۰، ۱۳۹، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۶۱، ۱۶۲، ۲۴۲، ۲۹۰، ۳۲۶، ۳۳۳، ۳۴۶، ۳۵۹، ۳۶۷، ۳۷۰، ۳۷۶، ۳۸۵، ۳۸۶

لکھنیا ۳۸۰

لکھنؤ ۳۶۷، ۳۸۸

لندن ۳۲۵، ۳۴۲، ۳۵۱

م

مارہرہ ۱۴۷

مازندران ۴۲

مالابار ۳۲

مانڈو ۳۴، ۵۳

مانکپور ۱۵۶

ماوراءالنہر ۲۷، ۱۴۴، ۱۵۶، ۳۵۸

مانٹریال ۳۵۱

متھرا ۱۰۲

مدراس ۲۶۲، ۳۶۸

مدینہ منورہ ۔ ۱۵، ۱۴۴، ۲۵۱، ۳۴۰، ۳۴۲، ۳۵۷، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۷، ۳۷۹

مراکش ۲۵

مشرق وسطیٰ ۲۵، ۳۷۶

مشہد (طوس) ۳۱

مصر ۔ ۱۱، ۱۵، ۲۵، ۳۲، ۳۳، ۴۰، ۴۳، ۴۴، ۱۹۲، ۲۰۱، ۲۱۴، ۲۴۲، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۷۱، ۳۳۲، ۳۶۷

مغرب ۲۱۱، ۲۷۱

مکان شریف ۳۷۳

مکۂ مکرمہ ۔ ۳۱، ۴۰، ۴۳، ۷۵، ۱۰۵، ۳۴۱، ۳۷۰، ۳۷۲، ۳۷۴، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۹

ملتان ۳۵۸، ۳۶۷

ممالک عربیہ ۳۵۳

موصل ۳۷۱

مونگیر ۳۸۰

موہان ۴۶

میانوالی ۳۷۳

(ن و)

ناظم آباد (کراچی) ۸۷ ۔ ۳۸۵

نجف ۲۶، ۳۱

نصرآباد کاشان ۶۹

نظام الدین (دہلی) ۳۸۱

نیشاپور ۴۲

نہروالا (انہلواڑہ ۔ پٹن) ۴۰

واں بچھراں ۳۷۳

(ہ)

ہانسی ۷۳

ہردوار ۱۱۰

ہردوئی ۳۱۲

ہرات ۔۔۔ ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۳۳، ۳۴، ۴۰، ۴۲

ہندوستان۔ ۱۴، ۱۹-۲۱، ۲۴، ۲۷-۲۹، ۳۱-۳۳
۳۶-۳۸، ۴۴-۴۰، ۴۶، ۴۸، ۵۰، ۵۱، ۵۶، ۶۰
۶۵، ۶۷، ۶۹، ۷۴، ۷۵، ۸۰، ۸۶، ۸۹-۹۱، ۹۳
۹۶، ۱۰۵، ۱۱۳، ۱۱۷، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۳۱
۱۳۷، ۱۴۱، ۱۴۴، ۱۴۹-۱۴۷، ۱۵۳، ۱۵۷-۱۵۵
۱۵۹، ۱۶۲، ۱۶۶ -۱۸۴، ۱۹۰، ۱۹۱، ۲۱۰-۲۱۲
۲۱۴، ۲۳۲، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۵۲، ۲۷۰، ۲۷۱
۲۸۴، ۲۸۵، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۸
۳۰۰، ۳۰۳، ۳۲۳، ۳۲۸، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۳
۳۳۵، ۳۴۱، ۳۴۶، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۵،
۳۵۷، ۳۶۰، ۳۶۲، ۳۶۴-۶۷، ۳۷۲، ۳۷۳
۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۹، ۳۸۳، ۳۸۷
ہنگری ۲۵
ی
یرموک ۳۷۶
یمن ۲۵، ۳۳، ۴۱، ۴۳، ۱۵۴
یورپ ۲۵، ۳۰، ۱۶۴
یونان۔ ۶۱، ۶۲، ۹۱، ۲۰۲، ۲۰۶، ۲۱۰، ۲۱۴
۲۱۵، ۲۳۰

متفرقات

قلعے، پہاڑ اور دریا:

جمنا ۱۱۱
چناب ۱۱۱
فتحپور سیکری ۷۳، ۹۹
قلعۂ بکھر ۲۹۲
قلعۂ جواد ۳۷۶
قلعۂ فیروزی ۱۴۴
قلعۂ کانگڑہ ۱۶۹
قلعۂ گوالیار ۱۶۰، ۱۶۲، ۶۷-۱۶۵، ۲۹۵، ۳۱۷، ۳۱۸
قلعۂ مانڈو ۳۴
کوہ مراد ۴۷
کوہ سلیمان ۵۲، ۳۰۱
گنگا ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۵۶، ۳۸۰

سلطنتیں، عہد و حکومت اور دربار:

افغانی حکومت ۳۷۶
تیموری سلطنت ۲۸، ۸۵، ۹۹
دربار اکبری ۴۲، ۶۹، ۷۰، ۹۱، ۹۲
دربار جہانگیری ۳۱۰
سلطنت اموی ۵۸
سلطنت ایران ۲۵، ۴۵
سلطنت عباسی۔ عباسی خلافت ۵۸، ۲۱۴
سلطنت عثمانیہ۔ خلافت عثمانیہ۔ ۱۹، ۲۵، ۲۶، ۸۵
سلطنت مغلیہ۔ ۲۸، ۴۸، ۵۲، ۵۸، ۷۵، ۷۸، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۰۸، ۳۵۲
شیعی سلطنت ۳۱
صفوی حکومت ۲۶، ۲۷، ۶۳
عہدِ اکبری۔ ۴۶، ۷۰، ۷۴، ۷۶، ۸۸، ۹۱، ۹۸، ۱۸۶، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۴، ۳۰۵۔۳۰۲
عہد جہانگیر ۲۹۱، ۳۰۲، ۳۱۲
عہد رسالت۔ عہد نبوت۔ ۲۵۳، ۲۵۷، ۲۵۹
عہد سلطنت عالمگیر۔ عہد عالمگیری۔ ۲۱، ۳۲۲، ۳۴۹، ۳۵۱

سوسائٹیاں تعلیمی ادارے اور درسگاہیں:

ایشیاٹک سوسائیٹی آف بنگال ۳۸۶
جامع ازہر، قاہرہ ۱۵، ۴۱
جامعہ اسلامیہ۔ مدینہ منورہ ۱۵
جامعہ پنجاب ۴۹
دارالعلوم تربت۔ بلوچستان ۴۸
دارالعلوم دیوبند ۳۷۵، ۳۷۷
دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ ۱۱
رابطۂ عالم اسلامی۔ مکۂ مکرمہ ۳۷۶
محکمۂ اوقاف، پنجاب ۱۸۱
مدراس یونیورسٹی ۲۶۲
مدرسہ خیر المنازل، دہلی ۷۳
مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ ۲۴، ۶۵، ۶۶
مظاہر علوم، سہارنپور ۳۷۴
میکگل یونیورسٹی۔ مانٹریال ۳۵۱

علوم و نظریات:

اصول فقہ ۱۳۵، ۱۳۹، ۱۸۰
تفسیر ۱۳۹

حدیث شریف ۱۳۹، ۲۴۴، ۲۶۴
علم الاصنام ۲۰۴
علم صرف ۲۶۱
علم کیمیا ۳۴
علم کلام ۱۳۹
علم نحو ۲۶۱
علوم عقلیہ ۱۴۰
علوم نبوت ۳۱۲
علوم نقلیہ ۱۴۰
فقہ ۱۳۵، ۱۸۰
فقہ حنفی ۳۳۱
فلسفہ ۔ ۴۶، ۶۴، ۱۳۹، ۱۸۹، ۱۹۹، ۲۰۴، ۲۰۷، ۲۱۲، ۲۲۲، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۶۲، ۳۲۲
فلسفۂ جدیدہ ۲۱۱
فلسفیہ ذوقیہ (اشراقیہ) ۲۱۶
فلسفۂ مشائیہ ۲۱۶
مسئلہ دیدار الٰہی ۸۳
مسئلہ کلام ۸۳
معقولات ۳۸۲
منطق ۶۴، ۱۳۹، ۲۲۱، ۲۲۲
نظریۂ ارتقاء ۶۵
نظریۂ تطبیق ۲۱۶
نظریۂ نور ۲۱۶

علمی و نشریاتی ادارے اکیڈمیاں اور مطابع:

ادارہ سعدیہ مجددیہ ۔ لاہور ۳۸۵، ۳۸۶
ادارۂ مجددیہ ۔ کراچی ۳۵۶
انجمن ترقی اردو ۔ دہلی ۲۱۱
دار المؤرخین ۔ لاہور ۳۴۶
دمشق اکیڈمی ۳۴۲
سہیل اکیڈمی ۔ لاہور ۳۷۰
مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ ۲۱
مجلس علمی ۔ ڈابھیل ۳۸۶
مطبع احمدی ۔ رامپور ۳۸۲، ۳۸۶، ۳۸۸
مطبع انصاری ۔ دہلی ۳۸۶
مطبع مجتبائی ۔ دہلی ۳۸۱، ۳۸۶
مطبع مرتضوی، دہلی ۳۸۸
المطبعۃ المیریۃ بمکۃ المحمیۃ ۳۶۱
مطبع نولکشور ۔ لکھنؤ ۱۰۰، ۳۸۸

المکتب الاسلامی - دمشق ۲۷۳
مکتبۂ سلفیہ - لاہور ۲۹۰
ندوۃ المصنفین - دہلی ۲۶۴

کتب خانے اور لائبریریاں:

انڈیا آفس لائبریری - لندن ۳۲۵
برٹش میوزیم - لندن (کتب خانہ) ۳۲۵
خدا بخش خاں لائبریری - پٹنہ ۳۴۱
کتب خانہ ادارۂ مجددیہ - کراچی ۸۷-۳۸۵
کتب خانہ آصفیہ ۳۴۱، ۳۴۲
کتب خانہ جامعہ پنجاب ۴۹
کتب خانہ ندوۃ العلماء - لکھنؤ ۳۴، ۳۴۰
مولانا آزاد لائبریری - علی گڑھ ۶۵

مذاہب و ادیان، عقائد و فلسفے اور تحریکات:

اشتراکیت ۳۷۶
اشراق - اشراقیت ۹۹-۱۹۷، ۲۱۴، ۲۱۷
اشراقی تصوف ۱۹۴
اشراقیت جدید و قدیم ۲۱۵
افلاطونیت جدیدہ ۱۹۲
الٰہیات ۱۹۷، ۲۰۴، ۲۰۵
ایرانی فلسفہ ۱۹۲
باطنیت ۱۹
برہمنیت ۱۸۷
جوگ ۱۸۸، ۲۴۴
جماعت مجاہدین - چمرقند ۳۸۴
جمعیۃ الشبان المسلمین - قاہرہ ۱۵
چشتیت ۴۷،
(حلقۂ) پیام انسانیت (لکھنؤ) ۱۹
دین الٰہی - دین اکبر ۷۱، ۱۰۰، ۷-۱۰۵، ۱۹۰
ذکری عقیدہ ۴۶
روشنائیہ ۳۰۱
سنّیاس ۱۸۸، ۲۴۴
سوفسطائیت ۷۹
شیعیت - مذہب شیعہ ۲۹، ۴۵، ۶۳، ۶۴، ۶۸
عقیدۂ تثلیث ۸۱
عقیدۂ تناسخ ۱۰۷
عیسائیت - مسیحیت ۸۱، ۲۱۵
عیسوی پاپائیت ۲۵
عینیت ۴۶، ۱۶۱
لاادریت ۷۹

محفل میلاد ۲۶۰

مذہب حنفی ۲۹، ۳۱، ۳۲، ۴۶، ۱۰۲، ۳۱۱

مذہب ظاہری ۲۶۹

مساوات ۱۶۱

مصری اشراقیت ۱۹۲

مہدویت ۔ مذہب مہدویہ ۔ ۵۲، ۵۶، ۵۹، ۱۳۲

ندوۃ العلماء ۔ لکھنؤ ۱۱، ۱۹، ۳۶۵

نصرانیت ۸۲

نقطوی تحریک ۶۴، ۶۶، ۶۷، ۶۹، ۱۸۹

وحدت ادیان ۲۰، ۷۱، ۱۸۷

وحدۃ الشہود ۔ توحید شہودی ۔ ۱۵، ۱۸۶، ۱۸۸،
۲۶۱، ۲۶۲، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۵، ۲۸۰، ۲۸۳، ۲۸۸
۲۸۹، ۳۳۶

وحدۃ الوجود ۔ توحید وجودی ۔ ۱۵، ۲۰، ۳۴، ۳۵
۳۷، ۳۸، ۵۱، ۸۹، ۱۳۴، ۱۶۱، ۱۸۶، ۱۸۸، ۱۹۰
۲۴۴، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۵، ۲۶۷، ۷۷ ۔ ۲۷۰
۸۴ ۔ ۸۹، ۲۷۹ ۔ ۲۸۷، ۳۲۲، ۳۳۶، ۴۸ ۔ ۳۴۶

ہندوستانی اشراقیت ۱۹۲

ہندو فلسفہ ۳۲۲

ہندو مذہب ۱۰۸

ہندو یوگا ۳۶

یونانی فلسفہ ۱۹۲، ۲۰۲، ۲۱۰، ۲۴۴

طرق و سلاسلِ سلوک و تصوف :

سلسلۂ ابوالعلائیہ ۱۴۷

سلسلۂ احسنیہ مجددیہ ۔ ۲۸۹، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹
۳۸۱، ۳۸۲

سلسلۂ آدمیہ ۲۸۹

سلسلۂ چشتیہ ۔ ۳۳، ۳۴، ۳۶، ۳۸، ۱۳۴، ۱۳۶
۱۴۲، ۲۷۱، ۳۲۶، ۳۴۶

سلسلۂ چشتیہ صابریہ ۳۷

سلسلۂ صابریہ ۳۳، ۲۷۱

سلسلۂ عشقیہ شطّاریہ ۳۳، ۳۴، ۳۷

سلسلۂ قادریہ ۳۳، ۳۸، ۳۶ ۔ ۱۳۴، ۱۴۲

سلسلۂ مجددیہ ۔ ۱۴۸، ۱۸۳، ۲۸۹، ۳۳۷، ۳۵۳
۳۶۷، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۷

سلسلۂ مجددیہ معصومیہ ۳۶۰

سلسلۂ مجددیہ نقشبندیہ ۔ ۲۷، ۴۶، ۱۳۶، ۱۴۳
۱۴۴، ۵۰ ۔ ۱۴۷، ۲۷۶، ۳۰۸، ۳۳۵، ۳۴۵
۳۵۳، ۳۵۸، ۳۶۸، ۳۷۳، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۸۴

سلسلۂ مداریہ ۳۴

سلسلۂ نظامیہ ۳۳

سلسلۂ ولی اللّٰہیہ ۳۸۰

طریقۂ چشتیہ شطّاریہ ۳۶

طریقۂ قلندریہ ۳۸

طریقۂ کُبرویہ ۱۳۹، ۲۷۲

مذہبی، اسلامی اور اصطلاحی الفاظ و رسوم:

احرام ۷۵

استغراق ۱۳۴

اشراق ۱۹، ۲۰۹

بدعت ۲۵۳، ۶۰-۲۵۸

بدعت حسنہ ۱۸۶

بدعت سیّئہ ۱۸۶

بعثت ۲۰۱

بھدراکروانا (رسم اکبر) ۱۰۱

تصوف ۔ ۴۶، ۱۵۸، ۱۸۰، ۲۱۵، ۲۴۵، ۲۶۲

تعزیہ ۳۲

جشن نوروز ۱۱۴، ۳۲۹

جھروکا درشن (رسم اکبر) ۱۰۱

حکمت ۲۱۲

دعاءِ تسبیح ۲۴۵

سکر و شورش ۱۳۴

سنت ۲۵۳، ۲۵۸، ۲۵۹

شریعت ۔ ۱۸۸، ۲۴۵، ۲۵۶، ۲۸۴، ۲۹۵، ۲۹۹

۳۰۰، ۳۰۶، ۳۱۰، ۳۱۴، ۳۱۶، ۲۲-۳۲۰، ۳۲۷

۳۳۱، ۳۵۲، ۳۵۹

صلوٰۃ العاشقین ۲۴۴

صلوٰۃ معکوس ۳۷

طریقت ۱۸۸

قشقہ (رسم اکبر) ۱۰۱

نبوت ۲۰۹، ۲۳۰

نقشبندیت ۱۴۷

نمازِ احزاب ۲۴۴

نمازِ تنویر القبر ۲۴۴

وجد و سماع ۸۹، ۱۳۴

زبان:

پشتو ۵۱

ترکی ۳۸۷

جرمن زبان ۲۱۱
سریانی ۲۴۵
سنسکرت ۹۶
عبرانی ۲۴۵
عربی ـ ۴۴، ۵۱، ۸۱، ۸۹، ۹۷، ۱۰۲، ۱۳۴، ۱۶۱، ۲۴۰، ۲۵۸، ۳۲۹، ۳۴۲، ۳۵۳، ۳۷۱، ۳۷۵، ۸۷ـ۳۸۵
فارسی ـ ۵۰، ۵۱، ۸۱، ۹۳، ۹۶، ۱۰۰، ۱۴۰، ۱۴۸، ۱۶۱، ۲۹۲، ۳۲۰، ۳۵۹، ۳۶۷، ۸۷ـ۳۸۵
ہندی ۵۱

سکّے:

سکۂ نقرئی ۳۵
درہم ۱۰۱
دینار ۱۰۱

مقبرے ومزارات:

جنت البقیع، مدینہ منورہ ۳۶۰، ۳۷۴
جنت المعلاۃ، مکۂ مکرمہ ۳۷۴
روضۂ مرتضوی ـ نجف ۳۱
قبۂ سیدنا عثمانؓ، مدینہ منورہ ۳۶۰
مزار داتا گنج بخش ـ لاہور ۲۴۲
مزار سید حسین خنگ سوار ـ اجمیر ۷۳
مزار قطب جمال، ہانسی ۷۳
مزار مجدد الف ثانی، سرہند ۱۹

خانقاہیں ورباط:

خانقاہ شاہ ابوالخیر، دہلی ۳۷۶
خانقاہ شیخ حسین خوارزمی، بلخ ۶۸
خانقاہ مجددیہ، سرہند ۱۹
خانقاہ مجددیہ ـ بھوپال ۳۶۸
خانقاہ معصومی ـ رامپور ۳۷۴
رباط مظہری ـ مدینہ منورہ ۳۷۴

اہم واقعات وحادثات:

اسراء ۱۲۳
شق القمر ۱۲۳
طوفان نوحؑ ۲۷۰
معراج ۱۲۳

دیگر متفرقات:

کعبہ۔بیت اللہ شریف۔ ۳۱، ۴۷، ۱۲۶، ۱۴۲، ۳۴۴، ۳۷۰

غلاف کعبہ ۳۰

افیون ۲۹۳

چراغ سلیمان ۵۹

درس نظامی ۴۲

سنت یوسفی ۱۶۳

طاعون ۵۴، ۳۷۱، ۳۷۲